مظہر العقائد

مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز

شاہی امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

مع اضافات جدیدہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم اے، پی ایچ ڈی

مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ

مَظْہَرُ العَقَائِد

مُصَنّفہٗ

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا

شاہ محمد مظہر اللہ

قدس سرہ العزیز

شاہی امام مسجد

جامع فتحپوری۔ دہلی،

مع اضافاتِ جدیدہ

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم اے، پی ایچ ڈی

ناشر

مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ

مصنف ——— مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ
مرتب ——— پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
مصحح ——— 〃 〃 〃
کاتب ——— جمیل مرزا، رنگ پورہ سیالکوٹ
طابع ——— نذرت پرنٹرز لاہور
ناشر ——— مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ
اشاعتِ اوّل ——— ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء
اشاعتِ دوم ——— ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء
تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)
قیمت ——— دو۲ روپے پچاس پیسے

پیش لفظ

رسالہ مظہر العقائد ایک تبلیغی سلسلے کی کڑی ہے جو آج سے تقریباً ۶۳ برس پہلے ۱۹۱۲ء/۱۳۳۱ھ میں حضرت مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرّہ العزیز نے طلباء کے لیے شروع کیا تھا، اس سے قبل اسی سلسلے کے دو رسائل ارکانِ دین اور مظہر الاخلاق شائع ہو چکے تھے۔ یہ رسائل بالترتیب ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے دوبارہ شائع کر دیتے ہیں۔

رسالہ مظہر العقائد راقم کے علم میں نہ تھا، مولانا شبیر احمد صاحب زید عنایتہٗ (خطیب فردوس مسجد، کراچی) نے اس طرف متوجہ کیا، چنانچہ دہلی لکھا گیا اور برادر زادہ مولانا محمد آصف جاہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے ہارڈنگ لائبریری دہلی میں اس کا کھوج لگایا۔ ۱۹۶۸ء میں جب دہلی حاضر ہوا تو برادرِ نسبتی نواب فرید الدین صاحب راقم کو مذکورہ لائبریری لے گئے۔ اور یہ نسخہ نکلوایا، چونکہ راقم عجلت میں تھا۔ اس لیے سرسری مطالعہ کر سکا۔ پاکستان واپس آنے کے بعد ۱۹۷۰ء میں دوسرے برادر زادہ مولانا محمد مکرم احمد سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے اس نسخہ کو نقل کر کے دہلی

رسالہ مظہر العقائد ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء میں ہلالی پریس، دہلی میں چھپا اور دہلی سے پہلی بار شائع ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پہلے اڈیشن کے سرورق کا نمونہ پیش کر دیا جائے تاکہ یہ محفوظ رہے :-

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا.

اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو دونوں خراب ہو جاتے

بتوفیق قادر ذوالجلال والکمال بے تشبیہ بے مثال یہ رسالہ نافعہ المسمی بہ

مَظْهَرُ الْعَقَائِد

مؤلفہ

مولوی محمد مظہر اللہ دہلوی حنفی مجددی امام مسجد فتحپوری دہلی

باہتمام خاکسار فضل حسین ۱۳۳۱ھ میں

ہلالی پریس دہلی میں طبع ہُوا

یہ رسالہ نصف صدی قبل کے ماحول کو پیشِ نظر رکھ کر طلباء کے لیے لکھا گیا تھا، راقم الحروف نے جدید ماحول کی مناسبت سے کچھ ترمیم و اضافہ کیا ہے اور اس سلسلے میں خود حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی تصانیف فتاویٰ مظہری، مواعظ مظہری اور بعض دوسری کتابوں سے مدد لی ہے ابتدا میں مذہب اور عقیدے سے متعلق ابواب کا اضافہ کیا ہے اگر اس رسالے میں کسی مقام پر سہو ہو گیا ہو تو راقم اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوتے معذرت خواہ ہے اور یہ گذارش کرتا ہے کہ قارئین کرام ایسے مقامات کی نشاندہی فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اڈیشن میں ضروری تصحیح کر دی جاتے۔

محمد مسعود احمد
پرنسپل

گورنمنٹ کالج ٹھٹھی، (سندھ)
یوم جمعۃ المبارک ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء

فہرس

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین

واضح ہو کہ جو باتیں دین کی اصل سے متعلق ہیں ان کو عقائد کہتے ہیں۔ اس میں اللہ کی ذات وصفات اور دوسری معلومہ باتوں کو ثابت کرنے کے متعلق گفتگو ہوتی ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ ہر انسان اپنی تحقیق سے خدا اور اُس کے دین کو پہچانے اور آنکھیں بند کرکے بغیر سوچے سمجھے دین کی پیروی نہ کرے۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو پانچ قوتیں دی ہیں۔ یعنی دیکھنے سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتیں۔ بہت سی باتیں ان کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں لیکن بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جو ان قوتوں سے معلوم نہیں ہوتیں جیسے یہ بات کہ یہ دُنیا ہمیشہ سے نہیں ہے۔ تو ایسی چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے تاکہ معلوم چیزوں کے جوڑ توڑ سے ہم نامعلوم باتیں دریافت کریں۔

بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کو نہ حواس معلوم کر سکتے ہیں اور نہ عقل، تو اس کے معلوم کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان دو ذرائع سے ایک ایسی ہستی کو

معلوم کر لو جس کا جھوٹ بولنا ممکن نہ ہو اور جس کو جھوٹ بولتے کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو پھر جو کچھ وُہ بتا دے اس کو ایسا سمجھو کہ جیسا تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔ اب ایسی چیز اللہ کی ذات ہے جس کو ہم نہ حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ ان دو ذریعوں سے اس کے آثار اور نشانیوں کا پتہ لگا سکتے ہیں اور اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں جہاں فراسی ہدایت سے منزل تک پہنچ جائیں اور یہ ہدایت اس کے رسولوں سے مل جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے معجزات دے کر بھیجتا ہے، ورنہ تو ہر کس و ناکس نبوت و رسالت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

مثلاً ہمارے رسول حضرت محمّد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم کو دوسرے بہت سے معجزات کے علاوہ بے داغ سیرت مبارک اور قرآنِ کریم دے کر بھیجا۔ ایسی بے داغ سیرت کا وجود یقیناً ایک عظیم معجزہ تھا۔ جس نے تمام اہلِ عرب اور بعد میں سارے عالم کو متاثر کیا اور معجزۂ قرآن نے ان کے زباں دانی کے فخر کو خاک میں ملا کر رکھ دیا اور وُہ بیساختہ بول اُٹھے کہ یہ کسی اِنسان کا کلام نہیں، یہ تو کسی فرشتے کا کلام ہے جو خُدا کی طرف سے آیا ہے۔ یقیناً سچّا ہے کہ لانے والا بھی ایسا سچّا ہے کہ اس نے کبھی دنیوی معاملے میں بھی جھوٹ نہ بولا، پھر یہ دین کے معاملے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے ؟

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کی کوئی ضرورت نہیں ؟ کیا یہ لوگ حق پر ہیں ؟

جواب :- حقیقت میں مذہب سے اس وقت بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے جب مذہب کو اس صورت میں پیش کیا جاتا ہے کہ اس کو ہماری ضرورت ہے اور ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ سچا مذہب تو وہی ہے جس کو انسان کی ضرورت نہ ہو بلکہ انسان کو اس کی ضرورت ہو۔ مشرق و مغرب کے مفکرین اور انقلابیوں کے حالات پڑھیں گے تو معلوم ہو گا کہ ان سب نے دینِ وحید اسلام سے استفادہ کیا ہے، اس سے اندازہ ہو گا کہ انسان کو مذہب کی کتنی ضرورت ہے۔ اس لیے مخالفین حق پر نہیں۔

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ دہریہ جن کا کوئی مذہب نہیں نہایت کامیاب زندگی گزار رہے ہیں تو پھر مذہب کی کیا ضرورت رہی ؟

جواب :- یہ خیال غلط ہے کہ دہریوں کا کوئی مذہب نہیں، در اصل مذہب ان افکار و خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جن پر زندگی کی بنیاد قائم ہوتی ہے یہ بنیاد

ان کا مذہب ہوا۔ اسی کے لیے وُہ جیتے ہیں اور اسی کے لیے وُہ مرتے ہیں۔ کِسی مشترکہ دستور العمل کے بغیر ترقی کرنا تو کجا زندہ رہنا مشکل ہے۔

اصل میں دہریہ لوگ وُہ احسان فراموش ہیں جو مذہب کے افکار و خیالات سے فائدہ تو حاصل کرتے ہیں مگر اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے اصول و ضوابط میں احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آیاتِ قرآنی کے ہو بہو ترجمے تک مِل جائیں گے لیکن چونکہ یہ باتیں انہوں نے نقل کی ہیں اس لیے انہیں کی سمجھی جاتی ہیں اور ترقی کا اصلی راز عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔

نیکیوں اور انسانی فائدوں کا علم دو طرح ہوا ہے۔ ایک مذہب کے ذریعہ اور دوسرے تجربے کے ذریعہ لیکن دراصل یہ مذہب ہی ہے جس نے سب سے پہلے انسان کو نیکیوں کی طرف متوجہ کیا پھر اُس نے تجربے کی روشنی میں اس کو پرکھا اور صدیوں بعد اس کی حقیقت آشکار ہوئی۔ اب اگر کوئی انسان نیکیوں کو اپناتا ہے تو غیر شعوری طور پر مذہب کو اپناتا ہے خواہ وُہ مانے نہ مانے مگر وُہ مذہب کا احسان مند ہے۔

سوال:۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب:۔ کم سے کم مذہب اسلام کے لیے یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اس کی بنیاد حکمت پر ہے۔ ہاں اگر اس اعتبار سے یہ بات کہی جاتے کہ عقل جس بات کو صدیوں میں دریافت کرتی ہے، وحی آن کی آن میں بتا

دیتی ہے اس لیے عقل پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے تو صحیح ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے "ہوائی جہاز موجود ہے کاریں نہ جاتیے" تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ منزل تک کاریں نہیں پہنچ سکتے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب ایسا ذریعہ موجود ہے جو آن کی آن میں پہنچا دے تو کیا ضرورت ہے کہ وقت بھی ضائع کریں اور تکلیف بھی اُٹھائیں!

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب اندھی تقلید کا نام ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

جواب :- "اندھی تقلید" کے بغیر تو زندگی میں چارہ نہیں۔ دُنیا کے بیشمار ملکوں اور شہروں کو اپنی آنکھوں سے کس کس نے دیکھا ہے لیکن سب ہی یقین کرتے ہیں اور کوئی نہیں کہتا کہ پہلے دکھاؤ تب مانیں گے۔ اسی طرح بہت سے تاریخی حقائق پر بغیر دیکھے یقین کر لیتے ہیں اور بہت سی سائنسی حقیقتوں کو بھی بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں ——— اگر یقین کے لیے دیکھنا شرط ہے تو چاہیئے کہ کسی بات کو بھی بغیر دیکھے نہ مانیں لیکن اگر ہم نے اس پر اصرار کیا تو خود ہمارا وجود مشکوک ہوتے جاتا ہے۔ کس نے اپنے والدین کو بچشمِ خود دیکھا ہے، لوگوں کے کہے پر یقین کر لیا گیا ہے۔ اس مرحلے پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر متواتر خبریں ملیں اور سچی شہادتیں میسّر آجائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دیکھنے پر اصرار کیا جاتے، یہ "اندھی تقلید" نہیں، دانشمندی ہے۔

بھروسہ کر لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان لوگوں کی اطلاعات پر یقین نہ کریں جن کی سیرتیں بے داغ اور جن کا کردار آفتاب کی طرح روشن اور تابناک ہے۔ صرف اس ایک طفلانہ ضد کی وجہ سے کہ جو کچھ تم بتاتے ہو، ہم نے نہیں دیکھا!

سوال:۔ دُنیا میں تو بہت سے ادیان و مذاہب ہیں لیکن سچا دین کون سا ہے؟

جواب:۔ تخلیقِ عالم سے لے کر اب تک دین تو ایک ہی رہا ہے، اور وُہ اسلام ہے۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایک ہی تھی ـــــ لیکن ہوا یہ کہ پیغام لانے والے کو یاد رکھا گیا اور اس مرکزِ علم و حکمت کو فراموش کر دیا گیا جہاں سے پیغام آیا تھا اس طرح ہر نبی اور رسول سے ذاتی چسپیدگی کی وجہ سے مختلف ادیان و مذاہب وجود میں آئے اور اختلاف کی صُورت پیدا ہوئی۔

یہ تو دین و مذہب کی بات ہے لیکن اگر دُنیا میں ایک بادشاہ اپنے وزیرِ اعظم کا تقرر کرے۔ پھر اس کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا تقرر کرے تو رعایا پر واجب ہے کہ ہر آنے والے کا حکم مانے لیکن اگر اس نے ہر وزیرِ اعظم سے اپنی اپنی وفاداریاں وابستہ کر لیں اور بادشاہ کو بُھلا دیا تو پُورے ملک میں انتشار کی صورت پیدا ہو جاتے گی۔ اس لیے

جاتے اور ہر جانے والے کا احترام کیا جاتے۔

سوال :- اسلام کی سچائی اور حقانیت کی کیا دلیل ہے ؟

جواب :- دلیلیں تو بہت سی ہیں مگر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی کسی بات کو عقل نے ابھی تک نہیں جھٹلایا بلکہ جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے اسلام کی تصدیق ہوتی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے جس انداز، جس لب و لہجہ اور جس زبان میں اپنا پیغام دیا تھا وُہ بات چودہ سو برس گزر جانے پر اب تک کوئی پیدا نہ کر سکا اور قرآن کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا کہ "اگر تم سے بن پڑے تو قرآن جیسی ایک سُورت ہی بنا لاؤ" ـــــ یہ ایک ایسی انوکھی دلیل ہے جس کی نظیر علم و حکمت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

سوال :- دین و شریعت میں کیا فرق ہے ؟

جواب :- دین سے مُراد مذہب کے وُہ بنیادی اصول ہیں جن کی ہر نبی اور رسول نے تعلیم دی ہے مثلاً خُدا کی توحید، اس کی صفات، انبیاء کی بعثت، خالص خدا کی عبادت، انسانی حقوق، اخلاق، جزا و سزا وغیرہ ـــــ

اور شریعت سے مراد وُہ جزئیاتِ احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کے زمانی و مکانی مخصوصیات کے سبب بدلتے رہے ہیں مثلاً عباداتِ الٰہی کے طریقے اور اعمالِ فاسدہ کے انسداد کی تدابیر وغیرہ۔

سوال :- کیا دین اور دُنیا الگ الگ ہیں ؟

جواب :- اس تفریق نے نوعِ انسانی کو گمراہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس فرق کو مٹایا اور یہ بتایا کہ اگر اللہ کے لیے دُنیا کے کام کیے جائیں تو وہی دین ہے۔ گویا دین کی حقیقت اخلاصِ عمل ہے اگر یہ پیدا ہو گیا تو دین ہی دین ہے ورنہ دین بھی دُنیا ہے۔ اسی لیے آپ نے حکومت و سیاست کو دین سے الگ نہ کیا بلکہ دین پر اس کی بنیاد رکھی اور یہ واضح کر دیا کہ دین و دنیا الگ الگ نہیں۔

سوال :۔ عبادت کا مقصد کیا ہے ؟

جواب :۔ عبادت کا تصور دوسرے ادیان و مذاہب میں کچھ ایسا ہے کہ وُہ ایک ایسا عمل ہے جس کی انسان کو نہیں بلکہ خُدا کو ضرورت ہے لیکن دینِ اسلام میں یہ واضح کر دیا گیا کہ خُدا غنی ہے اور اس کو کسی شئے کی حاجت نہیں اس لیے عبادت کی ہم کو ضرورت ہے، اس کو نہیں اور جہاں اشارۃً یا کنایۃً اظہار کیا ہے تو در اصل ہماری ضرورت ہی کا اظہار کیا ہے جو کمال شفقت و رحمت ہے۔

قرآنِ کریم میں ہم سے پہلے دُنیا کی بھلائی کی دُعا کرائی اور پھر آخرت کی بھلائی کی، کیوں کہ آخرت کی بھلائی دُنیا کی بھلائی پر منحصر ہے۔ تو عبادت کا مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی دُنیا ٹھیک کر لے تاکہ اس کی عاقبت ٹھیک ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی مطلق ضرورت نہیں۔ وُہ بے نیاز ہے۔

____ سورۃ اخلاص میں نیاز مندی کی تمام صورتوں کی نفی کر دی ہے۔

____ فرمایا "وُہ ایک ہے" کہ دو ہوتے تو دوسرے کا نیاز مند ہونا

پڑتا ـــــــــــ "وہ بے نیاز ہے" کہ نیاز مند ہوتا تو حکومت کس طرح چلاتا ـــــــــــ "نہ اس سے کوئی پیدا ہوا" کہ پیدا ہوتا تو زندگی کے ایک مرحلے پر اولاد کی اعانت کی ضرورت ہوتی ـــــــــــ "نہ وُہ کسی سے پیدا ہوا" کہ ولادت کے پہلے مرحلے میں والدین کی شفقت کی حاجت ہوتی ـــــــــــ "اس کا کوئی مثل نہیں" کہ مثل ہوتا تو اس کو بناتے رکھنے کی ضرورت رہتی تاکہ نظامِ عالم میں بدنظمی نہ ہو۔

الغرض اضطراری احتیاجات کی جتنی صورتیں تھیں سب کی نفی فرما دی اور اختیاری احتیاجات کو اس لیے بیان نہیں فرمایا کہ جو اضطراری احتیاجات سے پاک و منزہ ہے لامحالہ وُہ اختیاری احتیاجات سے پاک و منزہ ہوگا، تو ایسے بے نیاز کو نیاز مند کیسے کہا جاسکتا ہے، بلاشبہ عبادت کے سارے فائدے ہمارے ہی لیے ہیں۔

سوال :- عقیدہ کس چیز کا نام ہے ؟

جواب :- عقیدہ تصورات کا مجموعہ اور فکر کا وُہ خاص معیار ہے جس کے ذریعہ ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کوئی خاص عمل اجتماعی طور پر ہمارے لیے مفید ہے یا مُضر۔ عقیدے کے وجود میں آنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں کسی نہ کسی قسم کا اجتماعی شعور موجود ہو۔ جو اس کو ذاتی اغراض اور منافع سے بلند کر دے۔ کیونکہ قومیں صرف مادی وسائل کی بنا پر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ ان کے اندر فکری اتحاد ضروری ہے۔ یہی فکر جس کا دوسرا نام عقیدہ ہے قوم کی روح ہے۔

خدا اور بندے کے درمیان جو رشتہ ہے اس کا تعلق ذہنی قوتوں اور قلبی حالات سے ہے۔ اِسلام میں اسی کو "عقیدہ" کہتے ہیں۔

(ا) اگر یہ تعلق ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے ہے تو اس کا نام "عبادت" ہے۔ یا انسان اور اِنسان اور دوسری مخلوقات کے درمیان جو تعلق ہے اس حیثیت سے احکام نازل ہوتے۔

(ب) تو اگر اس کی حیثیت قانون کی ہے تو معاملہ ہے۔

عَ
قِ
یْ
دَ
ہْ

(ج) اگر روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو وہ اخلاق ہے۔

سوال :- اسلام میں عقائد کی اصل کیا ہے ؟

جواب :- اصولی عقیدہ تو خدا پر ایمان ہے پھر پانچوں عقیدے اسی ایک عقیدے کی تشریح و تفسیر ہیں کیوں کہ سب کا بالواسطہ تعلق خدا ہی سے ہے۔

خدا اصول و قوانین کا سرچشمہ ہے، ہر عمل منشائے ربانی کے تابع ہے اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، کیونکہ وہ قدرتِ تامہ اور ہر چیز کا علم محیط رکھتا ہے، اسے تقدیر[۱] کہتے ہیں، کتاب[۲] اللہ مجموعۂ قوانین، فرشتے[۳]، اس قانون کو لانے والے رسول[۴] اس قانون کو نافذ کرنے والے اور قیامت[۵] اس قانون کے نتیجے میں برپا ہونے والی۔

پس ان تمام کڑیوں میں کسی ایک کڑی کو حذف کر دیں تو نظامِ عقیدہ درہم برہم ہو جائے گا۔

سوال :- اسلامی عقیدے کی حقیقت کیا ہے ؟

جواب :- اسلامی عقیدے کی حقیقت خدا پر ایمان لانا ہے اور خدا پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ ہر اس چیز پہ ایمان لایا جائے جس پر ایمان لانے کے لیے اس نے ہدایت فرمائی۔ اور اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کو تنگ نظری سے نکال کر آگے بڑھایا جائے اور اس کو خود سے آزاد کر کے خدا کا بندہ بنایا جائے۔ خود گرفتاری نے انسان کو معبودانِ باطل سے وابستہ کر دیا تھا جس میں قومی و قبائلی اور رنگ و نسل اور زبان کے امتیازات بھی شامل ہیں۔ اسلام نے ان سب کی نفی کر کے انسان کو ایک خدا کے آگے جھکا کر عام انسانیت کی فلاح کے لیے تیار کیا۔

سوال :- اسلامی عقائد اور نسلی اور قومی عقائد میں کیا فرق ہے ؟
جواب :- یہ دونوں قسم کے عقیدے حصولِ زندگی کے دو مختلف طریقے ہیں۔ نسلی اور قومی عقائد کے ذریعہ حصولِ بقا کی جو کوشش کی جاتی ہے ان سے انسان کا مجموعی مفاد متاثر ہوتا ہے اور اس میں مقابل گروہوں کو مٹانے یا ان کو غلام بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن اسلامی عقائد میں مٹانے کے بجائے انہیں ایک وسیع تر معاشرہ کا رکن بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے ان کے مادی وجود کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات ان کی مادی اور اخلاقی حیثیت اور بہتر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان ہی کو لیجئے جہاں مسلمانوں نے برسہا برس حکومت کی ہے، تعجب خیز بات یہ ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں کے دارالخلافہ رہے وہاں غیر مسلم آبادی کثرت میں ہے اور خوش حال۔ اس سے اس بات کا تاریخی ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں کو مٹایا نہیں ہاں ان کے مادی اور روحانی حالات کو ضرور بدلا ہے۔

سوال :- اسلامی عقیدے میں پھر مومن اور کافر کی تفریق کیوں ہے ؟
جواب :- مذہب کی بنا پر جو تفریق کی جاتی ہے وہ عقل اور فطرت کے مطابق ہے اور محض جغرافیائی حوادث یا اتفاقِ پیدائش پر مبنی نہیں۔ قومی اور نسلی بنیادوں پر جو امتیازات قائم کیے جاتے ہیں وہ مستقل اور دائمی ہوتے ہیں اس سے آگے چل کر نوعِ انسانی کا مجموعی مفاد متاثر ہوتا ہے۔
مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے پہلے ایسے امتیازات نے قبیلوں کو برسہا برس سے ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا تھا لیکن اسلام نے

آکر ان کو شیر و شکر کیا، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اول الذکر امتیازات غیر فطری تھے اور مؤخر الذکر امتیازات فطری۔ اسی لیے نوعِ انسانی نے مجموعی حیثیت سے قبول کیا۔

جغرافیائی بنیادوں پر اتحاد میں کوئی لچک نہیں۔ انسان خواہ کتنا نیک و شریف ہو اگر باہر سے اس دیس میں آکر بسا ہے تو بیگانہ ہی سمجھا جائے گا۔ جغرافیائی کے بعد علاقائی، نسلی اور لسانی تعصبات جنم لینے لگتے ہیں۔ اور یہ اتحاد خوابِ خیال بن کر رہ جاتا ہے ـــــ غور کیجیے باہر سے کوئی کسی علاقے میں آجائے تو اس کو وہاں کا نہیں سمجھتے غیر ہی جانتے ہیں۔ کسی کی زبان آپ سیکھ لیں تو ہرگز اہلِ زبان اپنے ساتھ نہ ملنے دیں گے۔ اور شادی بیاہ کر کے دُوسری نسلوں سے اختلاط پیدا کیا جائے تو پھر بھی وُہ اپنا نہ سمجھیں گی۔ مگر یہ دینِ اسلام ہے کہ جب کوئی اس دین میں داخل ہوتا ہے تو وُہ غیر نہیں، اپنا ہے اور اتنا ہی محترم ہے جس طرح دوسرے محترم ہیں۔ یہ دروازہ ہر وقت کھُلا ہے۔ جب کوئی آتا ہے گرمجوشی سے خوش آمدید کہا جاتا ہے ـــــ اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ سب کے حقوق مساوی، ذرہ برابر فرق نہیں۔

سوال :۔ کیا عقیدہ کا تعلق عمل سے بھی ہے؟

جواب :۔ عمل ہی سے تو اس کا تعلق ہے، عقیدہ ایک نظریہ ہے اور زندگی اس کی عملی تعبیر و تشریح گویا عقیدہ سراسر عمل کے لیے ہے۔ اسلام میں عقیدہ زندگی سے علیحدہ کوئی چیز نہیں، البتہ انسان کے بنائے ہوئے دوسرے عقائد میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عقیدہ و زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا

بلکہ زندگی عقیدے کے لیے بنی ہے، عقیدہ زندگی کے لیے نہیں۔

سوال :۔ کیا انسانی زندگی میں عقیدے کی کوئی اہمیت ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں، عقیدہ انسانی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے لیے عقیدہ کا وجود بےحد ضروری ہے، ایک مشترکہ عقیدہ ہی وہ رشتہ ہے جو ایک جماعت کے افراد کو اخوت کے رشتوں میں منسلک کرتا ہے۔ جس قوم میں عقیدہ کی جتنی پختگی ہوگی اتنی ہی زیادہ وُہ باعمل، ترقی پذیر اور فتحمند و غالب ہوگی۔ ایسی قوم کو جس میں کوئی طاقتور عقیدہ نہ پایا جاتا ہو دوسری قومیں آسانی سے غلام بنا لیتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں آمنے سامنے ایک ہی نسل ایک ہی قبیلے اور ایک خون اور زبان کے لوگ ہوتے تھے مگر فتح و کامرانی مسلمانوں کو ہوتی تھی اس کی وجہ یہی عقیدہ کی پختگی اور دین کی محبت تھی۔ اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر ان کامیابیوں کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

انسانی زندگی میں عقیدہ اس لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے کہ اس سے انسانی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ مصیبت و الم میں بھی اس کے قدم نہیں لڑکھڑاتے بلکہ اس میں اس کو لذّت محسوس ہونے لگتی ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے جو مادی ترقیوں سے ہرگز میسّر نہیں آسکتی۔

سوال :۔ اللہ کس کو کہتے ہیں ؟

جواب :۔ اللہ اس ذاتِ اقدس کا نام ہے جو قدیم، ازلی اور ابدی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسی طرح اس کی صفاتِ کاملہ بھی قدیم ہیں اور غیر محدود، وہ ہر ناقص صفت سے پاک و منزہ ہے، وہ خالق ہے مخلوق نہیں، حاجت روا ہے محتاج نہیں۔

(جس طرح اس کی ذات لامحدود ہے اسی طرح اس کی صفات بھی لامحدود ہیں اس لیے اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے اور صحیح تعریف اس وقت کی جا سکتی ہے جب احاطہ کیا جا سکے۔)

سوال :۔ اللہ کی ذات کا کیا ثبوت ہے ؟

جواب :۔ اس کے وجود کی سب سے بڑی نشانی تو خود انسان ہے، اس کے علاوہ یہ کائناتی نظام جو حیرت انگیز ضابطے اور قاعدے کے تحت چل رہا ہے اور ذرا گڑبڑ نہیں، اگر قاعدے کے تحت نہ چلتا تو یقیناً کوئی خالق نہ ہوتا، عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ ایک خود کار نظام میں یہ حیرت ناک نظم و ضبط ہو

سوال :۔ اچھا یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ موجود ہے تو یہ بات کیسے سمجھ میں آئے کہ وہ بغیر بنائے کیسے وجود

میں آگیا؟

جواب:۔ کائنات پر نظر ڈالیں گے تو دو قسم کے موجودات نظر آئیں گے ایک وُہ جو اپنے وجود میں کسی غیر کے محتاج ہیں اور دوسرے وُہ جو محتاج نہیں۔ مثلاً انسانی جسم میں دِل ایک ایسا وجود ہے کہ سارے اعضاء اعضاء اس کے محتاج ہیں اور وُہ ان اعضا میں سے کسی کا محتاج نہیں خود حرکت کرتا ہے اسی لیے دِل کے متعلق کہا گیا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ۔

مومن کا دِل عرشِ الٰہی ہے یعنی اس بظاہر خود بخود حرکت کرنے والے کا بھی ایک محرک ہے۔ دِل کی حرکتیں اور دھڑکنیں اللہ کی ذات کا پیہم اعلان کر رہی ہیں۔

سوال:۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وُہ بغیر بنائے موجود ہو گیا لیکن اس کے وجود کا علم ہمیں کیسے ہوا۔ نظر تو آتا نہیں، لوگ دلائل بیان کر کے خاموش تو کر دیتے ہیں مگر دِل کو اطمینان نصیب نہیں ہوتا، کوئی ایسی بات بتائیں جس سے دِل مطمئن ہو جائے۔

جواب:۔ قرآنِ کریم نے فرمایا ہے کہ اس کے ذکر میں اطمینان و سکون ہے پس ایسی ہستی کو اس انداز سے سمجھا جا سکتا ہے جس سے اطمینان و سکون میسر آجائے۔

کسی شئے کی حقیقت اور وجود کو سمجھنے کے لیے کئی طرح سے یقین حاصل کیا جاتا ہے۔ دیکھ کر، سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر، سُن کر اور سمجھ کر ——

دھوپ دیکھتے ہی آفتاب کا یقین ہو جاتا ہے اور کوئی یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ آفتاب دکھاؤ پھر ہم مانیں گے ——— خوشبو سونگھتے ہی اس کا وجود تسلیم کر لیا جاتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ خوشبو دکھاؤ جب ہم مانیں گے ——— چکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ آم میٹھا ہے اور لیموں کھٹا ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ آم کی مٹھاس اور لیموں کی کھٹاس دکھاؤ تب ہم مانیں گے ——— مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو بخار ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ پہلے بخار دکھاؤ پھر ہم مانیں گے ——— نغموں کی آواز آتے ہی فضائے بسیط میں ان کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے لیکن کوئی نہیں کہتا کہ ہم کو دکھاؤ تب ہم تسلیم کریں گے۔

ہزاروں میل کی مسافت پر واقع شہروں اور ملکوں کے وجود کو ہماری عقل تسلیم کرتی ہے اور کوئی عقلمند یہ نہیں کہتا کہ پہلے ان شہروں اور ملکوں کو دکھاؤ پھر ہم مانیں گے ——— لوگوں نے متواتر ان کے وجود کی خبر دی ہیں پھر ان کی نشریات سنیں تو یقینِ کامل حاصل ہو گیا ———

ہم دُنیا کی بہت سی اَن دیکھی حقیقتوں کو شعوری طور پر تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں، ان حقیقتوں کو بھی جن کو دیکھنے کی ہم قُدرت رکھتے ہیں لیکن اس لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ ہماری عقل ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ اتنے سارے لوگ ان شہروں اور ملکوں کی پے در پے خبریں دے رہے ہیں، یہ بات ہرگز غلط نہیں ہو سکتی اور ریڈیو اور ٹیلیویژن پر جو پیغام سُنے جا رہے ہیں اور جو مناظر دیکھے جا رہے ہیں غلط نہیں ہو سکتے

بلکہ یہ پیغامات اور مناظر تو ان سابقہ خبروں کی توثیق و تصدیق ہیں۔

ٹھیک اسی طرح جلیل القدر انسانوں نے جن کی سیرتیں بے داغ تھیں اور جنہوں نے کبھی دنیوی معاملات میں بھی جھوٹ نہ بولا تھا یہ خبر دی کہ خدا موجود ہے، یہ خبر پے در پے ملتی رہی اور برابر پیغامات بھی ملتے رہے ——— یہاں بھی عقل وہی بات کہتی ہے جو پہلے کہہ چکی تھی یعنی یہ کہ اتنے سارے نیک اور صالح لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے، جو خبر دیتے ہیں بیشک صحیح ہے اور پھر جب اس جنابِ عالی سے صحیفے اور کتابیں اترتی ہیں تو اور یقین ہو جاتا ہے۔

اب جو شخص خدا کا وجود تسلیم نہیں کرتا اس سے پوچھئے کہ کیا یہ بات معقول ہے کہ جھوٹے اور مشکوک لوگوں کی خبروں پر تو دل و جان سے یقین کرو اور وہ حضرات جن کی زندگیاں پاک صاف اور شک و شبہ سے بالاتر ہیں ان کی دی ہوئی خبروں کو جھوٹا جانو اور ان کی خبروں پر بالکل بھروسہ نہ کرو۔ بیشک اگر پہلی خبریں بھروسے کے لائق ہیں تو یہ خبریں بھی بھروسے کے لائق ہیں اور اس کے بغیر چارہ کار نہیں کہ ہم ان خبروں پر بھروسہ کر کے خدا کے وجود کا اقرار کریں خصوصاً جب کہ عینی آثار اور غیبی پیغامات بھی اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور دل خود بخود جھکنے کے لیے بیقرار ہوا جاتا ہے، درد و مصیبت میں تو ایک ان دیکھی قوت کی طرف لپکنے لگتا ہے ——— اگر صرف آنکھ پر بھروسہ کیا گیا تو پھر زندگی کی بہت سی حقیقتوں کو جھٹلانا پڑے گا اور بہت سی حقیقتیں مشکوک ہو جائیں گی ——— کسی انسان

نے اپنے والدین کو دیکھا ہے ؟ دوسروں نے کہا اور اس نے یقین کیا۔ جب ہم معاشرتی زندگی میں والدین کی حقیقت کو بے دیکھے تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کائناتی زندگی میں خدا کی ہستی کو کیوں نہ تسلیم کریں خصوصاً جب کہ قدم قدم پر مظاہر موجود ہوں۔

جب ہم سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر، سن کر اور سمجھ کر ان دیکھی چیزوں کو تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر خدا کے معاملے میں یہ اصرار کیوں کہ دکھاؤ پھر ہم مانیں گے بیشک وہ نظر بھی آسکتا ہے مگر تاب و طاقت تو ہو ـــــ جن میں طاقت تھی انہوں نے دیکھا بھی ہے ـــــ ہماری حالت یہ ہے کہ ایک آفتاب کو نصف النہار کے وقت نہیں دیکھ سکتے۔

اگر ہم خلا میں زندگی بسر کرتے اور ہمارے چاروں طرف رنگا رنگ مناظر نہ ہوتے تو شاید خدا کے وجود سے واقف ہونا مشکل ہو جاتا لیکن اب جب کہ اطلاعات اور پیغامات کے ساتھ ساتھ قدم قدم پر گل کھلے ہیں تو خدا کے وجود کو معلوم کرنا ذرا مشکل نہیں بس سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہی سمجھ جس کے ذریعے انسان نے بے معنی چیزوں میں معنی تلاش کیے ہیں، خداشناسی کا اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں۔

سوال :۔ توحید کے بنیادی اصول کیا ہیں ؟

جواب :۔ اس کی بنیاد تو خدائے واحد کی ذاتِ اقدس اور اس پر ایمان و یقین ہے یہ یقین خود انسان کی فطرت میں پوشیدہ ہے، قرآن کریم نے قدرت کے عجائبات، کائنات کے نظم و نسق اور کائناتی حکمتوں کو تفصیل سے بیان

کر کے انسانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ مثلاً کشتیوں اور جہازوں کا بے تکان سمندر کی سطح پر چلنا، پرندوں کا ہوا میں اُڑنا، پانی برسنا، مردہ زمین کا زندہ ہو جانا، انسان کی رنگا رنگ زبانیں، قسم ہا قسم رنگ، مختلف نسلیں، روشن آفتاب، چمکتا ماہتاب اور دمکتے ستارے، غمزدوں کی فریاد رسی، مظلوموں کی داد رسی، دن کے بعد رات، رات کے بعد دن وغیرہ۔

سوال :- کیا پچھلے مذاہب نے بھی توحید کی تعلیم دی تھی؟

جواب :- تمام مذاہب کی رُوح تو صرف ایک ہی ہے یعنی اسلام اور اس کی تعلیم کی بنیاد توحید ہے۔

سوال :- کیا اللہ کی کوئی شکل وصورت بھی ہے؟

جواب :- اس کی کوئی شکل صورت نہیں، وہ جسم سے پاک ہے۔ وہ تو خود جسموں کو پیدا کرتا ہے پھر کیسے جسم ہو سکتا ہے؟

سوال :- قرآن وحدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اعضا ہیں۔

جواب :- بیشک ایسی آیتیں اور احادیث موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پیر اور چہرہ وغیرہ ہیں لیکن اس کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے۔ البتہ بعض علماء نے آنکھ سے اس کا نور ہونا، ہاتھ سے اس کا فیاض ہونا اور پیر سے اس کا حاضر و ناظر ہونا مراد لیا ہے۔

سوال :- خدا کی کتنی صفات ہیں؟

جواب : صفات تو بے حد و حدود ہیں کہ وہ غیر محدود ہے۔ اکثر صفات قرآنِ کریم میں بیان کی گئی ہیں جس کو سمجھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس کو پڑھیے

اور غور و فکر کیجیے۔ حدیثِ پاک میں خدا کے ۹۹ صفاتی نام آتے ہیں مگر حقیقت میں اس کے نام لامحدود ہیں۔ ان اسمارِ صفات میں جمالی بھی ہیں۔ جلالی بھی اور کمالی بھی۔

سوال :۔ کیا خدا کے بندے اس کی صفات کا آئینہ ہیں ؟

جواب :۔ بلاشبہ اس کی صفات کا آئینہ ہیں۔ اس نے اپنی صفاتِ کاملہ سے حیثیت و صلاحیت کے مطابق حصہ دیا ہے، وہ حی ہے ہمیں بھی زندگی دی، وہ قادر ہے ہمیں بھی قدرت دی، وہ علیم ہے ہمیں بھی علم دیا، وہ عالم الغیب ہے بعض برگزیدہ بندوں کو علمِ غیب بھی دیا خصوصاً سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

سوال :۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات میں داخل ہیں یا نہیں ؟

جواب :۔ داخل ہیں جیسے دھوپ کہ آفتاب کی حقیقت میں داخل ہے گو خارج معلوم ہوتی ہے۔ یا جیسے موجیں کہ سمندر کی حقیقت میں داخل ہیں اگرچہ خارج معلوم ہوتی ہیں۔

سوال :۔ عقیدۂ توحید نے انسانی زندگی میں کیا انقلاب پیدا کیا ؟

جواب :۔ عقیدۂ توحید نے عبادت کے عام مفہوم کو بالکل بدل دیا اور اس میں اتنی وسعت اور گہرائی پیدا کر دی کہ عملی اور فکری زندگی کا کوئی گوشہ اس کے دائرے سے باہر نہیں رہا، عبادت کے ایسے تصور سے دوسری قومیں بالکل ناآشنا تھیں۔

اس کے علاوہ اس عقیدے نے انسان کو اس کی اپنی عظمت سے آگاہ

کیا اور یہ بتایا کہ کائنات اس کے لیے ہے، وہ کائنات کے لیے نہیں، وہ صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس طرح انسان زمین کی پستیوں سے بلند ہوا۔ اب زمین پر سجدے زمین کے لیے نہ ہوتے تھے، خدا کے لیے ہوتے تھے۔

وہ انسان جو شجر و حجر اور خود اپنے بنائے ہوئے بتوں کے آگے جھکا کرتا تھا اس کو صرف ایک ہستی کے آگے جھکا کر خودداری اور غیرت کا سبق سکھایا اور اس کی بکھری ہوئی ذہنی اور عملی قوتوں کو یکجا کر کے حیرت انگیز قوت بخشی۔

انسان اس بندگی تک کتنی منزلوں سے گزرا ــــــ کائنات اور اس کے عجائبات کو دیکھ کر مبہوت ہوا تو ہر عجیب و مہیب اور قوی چیز کی پرستش کی ــــــ کائنات سے نظر ہٹی تو اپنی طرف متوجہ ہوا اور انسان سے خدا بن بیٹھا اور لوگ اس کو سجدہ کرنے لگے ــــــ پھر جب خدا کی طرف متوجہ ہوا تو خود کو بھلا دیا ــــــ پھر خدا کے جلووں میں خود کو دیکھا تو حقیقت آشکار ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ کون کس کا بندہ ہے اور کون کس کا خالق ہے؛ یہی دریافت تھی جس نے عالم انسانیت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

سوال :- کیا عقیدۂ توحید کی کمزوری سے انسانی زندگی پر کچھ اثر پڑتا ہے؟

جواب :- جی ہاں، بہت زبردست۔ یہ عقیدہ کمزور ہو جاتے تو انسان مختلف فکری اور عملی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے ــــــ مملکت پرستی، علم پرستی، ثقافت پرستی، آثار پرستی، نسل پرستی وغیرہ ــــــ

سوال :- تو کیا انسان کو اپنے ملک اور تہذیب و تمدن سے محبت نہیں

جواب :۔ محبت اور پرستش میں بڑا فرق ہے ـــــــ ان چیزوں سے محبت فطری بات ہے مگر یہاں بات پرستش کی ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مسلمان ہوتا ہے تو اپنے ماضی سے کٹ جاتا ہے ـــــــ یعنی اب اس کو اپنی تہذیب و تمدن اور آثار پر فخر نہ کرنا چاہیئے، فخر کے لائق صرف اسلام کا تعلق کافی ہے۔ رہی محبت تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مسلمان ہونے کے بعد ہر محبت کو اسلام کا تابع ہونا چاہیئے ورنہ وہ محبت پرستش کے حکم میں ہوگی جو اس کو دائرہ اسلام سے خارج بھی کر سکتی ہے۔ دائرہ اسلام سے خارج ہونا حقیقت میں دائرۂ انسانیت سے خارج ہونا ہے۔ اسلام اور انسانیت دو متضاد چیزیں نہیں۔

سوال :۔ عقیدۂ توحید میں ابتدار اور انتہا کیا ہے ؟

جواب :۔ ابتدار خدا کی حقیقی عظمت سے ہوتی ہے اور انتہا کمالِ بندگی پر۔ خدا کے علاوہ دوسری چیزوں کی پرستش سے انسان نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ابھی اپنے مرتبے سے آگاہ نہیں لیکن جب وہ خُدا کے آگے جھکا تو اس کو معلوم ہوا کہ وہ کتنا عظیم ہے۔ تو عقیدۂ توحید نے ایک طرف وحدانیت کا عَلَم بلند کیا تو دوسری طرف عبدیت کا۔

سوال :۔ خُدا کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے۔

جواب :۔ خُدا کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ وہ قدیم ہے، خود بخود موجود ہے، صرف وہی عبادت کے لائق ہے، اس کی صفات کامل ہیں، ناقص صفتوں سے پاک ہے، زمان و مکان سے بالاتر ہے، نہ وہ جسم ہے

نہ محدود، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے اندر کوئی چیز سما سکتی ہے، اس کا نہ مثل ہے اور نہ کفو، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس سے پیدا ہوا۔ وہ چھپی چیزوں کو جانتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وُہ غفار ہے، وہ مستجاب الدعوات ہے۔ یعنی دُعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

سوال:- آپ نے فرمایا کہ چھپی چیزوں کو جانتا ہے تو کیا دل کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔

جواب:- بیشک وہ دِل کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ۔ بلکہ اگر وہ چاہتا ہے تو یہ قوت اپنے برگزیدہ بندوں کو بھی عنایت فرما دیتا ہے

سوال:- آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے تو بُرے کاموں پر بھی قادر ہو گا؟

جواب:- معاذ اللہ، وہ اچھی صفات سے آراستہ ہے اور بُری صفات سے پاک ہے اور یہ عیب نہیں کمال ہے۔ جس طرح کسی نیکو کار کے لیے یہ کہا جائے کہ وہ بدکاری نہیں کر سکتا تو یہ اس کا عیب نہیں۔ یہ تو خوبی ہے، بلکہ اس طرف خیال کرنا بھی سوءِ ادبی ہے تو جب ایک انسان کے لیے خیال کرنا بے ادبی ہے تو خدا کے متعلق ایسی باتیں سوچنا انتہا درجہ کی گستاخی ہے جس سے انسان کا ایمان بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

سوال:- آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ غفار ہے تو کیا وہ حقوق العباد کو بھی معاف فرما دے گا

جواب :۔ اللہ تعالیٰ وہی گناہ معاف کرے گا جس کا تعلق اس کی جناب سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا معیارِ عدل بہت ہی بلند ہے ۔ دُنیا کے بادشاہ اور حاکم قاتلوں اور ڈاکوؤں کو معاف کر دیا کرتے ہیں، جو عدل نہیں ظلم ہے اور دوسروں کے حقوق میں مداخلت ہے، اللہ تعالیٰ ایسے عفو و درگزر سے منزہ و پاک ہے ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کو اپنی رحمت سے جنت عطا کرے اور اسے راضی کر دے اور ظالم کو اپنی رحمتِ عامہ کے سبب بخش دے ۔

سوال :۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے مگر بعض دُعائیں تو مقبول نہیں ہوتیں ۔

جواب :۔ بیشک وہ تعالیٰ مضطرب اور بیقرار بندوں کی دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے ۔ دُعا وہی قبول نہیں ہوتی جو یا تو دل سے نہ کی گئی ہو یا اس کے پورا ہونے میں بندے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو کیوں کہ انسان کی نظر بہت محدود ہے اور جس کی نظر محدود ہے وہ اپنی بھلائی اور برائی کے بارے میں خود فیصلہ نہیں کر سکتا فیصلہ کرنے کے لیے نظر چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ علیم اور دانا و بینا ہے اس لیے وہ خود بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کون سی بات اچھی ہے اور کونسی بُری ہے ۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سوچنی چاہیئے کہ ایک معمولی حکیم یا ڈاکٹر کے سامنے مریض کچھ نہیں بولتا ۔ جو دوا اس کے لیے تجویز کی جاتی ہے آنکھیں بند کر کے پی لیتا ہے لیکن حکیم مطلق کے سامنے ہم اپنی تجاویز پیش کرتے ہیں،

یہ بات دانائی کے خلاف ہے۔ اور جب وہ ہمارے فائدے کے لیے کسی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو چلّانے لگتے ہیں اور ناشکری پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

سوال :- کیا صرف خدا کا وجود تسلیم کرلینا کافی ہے؟

جواب :- جی نہیں، اتنا کافی نہیں۔ تصورِ توحید صرف نظریہ نہیں بلکہ ایک دستورِ حیات ہے۔ اس تصوّر کا مقصود اور مفہوم یہ ہے کہ ہم عملی زندگی میں شیطان کی رہنمائی قبول نہ کریں بلکہ رحمٰن کے بن کر رہیں۔ جو دعوٰیٔ توحید کے باوجود خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اور شیطان کی رہنمائی قبول کرتا ہے وہ ایک سرکش بندہ ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص رہے اپنے ملک میں لیکن اس کی وفاداریاں دوسرے ملک کے حکمران کے ساتھ ہیں، ظاہر ہے ایسا شخص ہر انسان کی نظر میں باغی اور غدار تصوّر کیا جائے گا۔

سوال :- کیا خدا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت بھی ضروری ہے؟

جواب :- قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں صاحبِ امر یعنی حاکم ہوں ان کی اطاعت کرو" ——— ان اطاعتِ سہ گانہ کی حقیقت تو اطاعتِ الٰہی ہے لیکن بغیر دوسری اطاعتوں کے معاشرتی زندگی گزارنا مشکل ہے اس لیے خدا نے ان کو اختیار دے دیا ہے۔ اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت، یعنی وہ احکام جو قرآن میں مذکور نہیں یا مجمل ہیں مفصل نہیں ان کے بارے میں جب رسولِ کریم حکم دیں تو ان کو ماننا چاہتے ———

رسول کی اطاعت کے بعد حاکم اور صاحبِ امر کی اطاعت ہے، یعنی احکامِ شرعیہ کے ساتھ ساتھ وہ احکام جو قرآن اور حدیث و فقہ میں نہیں ان کے بارے میں حاکم حکم دے تو وہ بھی تسلیم کیے جائیں —— اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف جو حکم دے وہ بھی مانا جائے کیوں کہ اس صورت میں دو اطاعتیں مفقود ہو جائیں گی اور صرف ایک اطاعت باقی رہے گی اور آیت میں بیک وقت تینوں اطاعتوں کی تلقین کی گئی ہے اور اطاعت کے مدارج بھی متعین کر دیئے ہیں۔

سوال :۔ شرک کسے کہتے ہیں؟

جواب :۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کرنا، اور ان صفات کو اس میں قدیم سمجھنا، اس کو مستحقِ عبادت جاننا اور اپنا خالق و مالک تصور کرنا۔

سوال :۔ شرک اور بُت پرستی کا آغاز کیوں کر ہوا؟

جواب :۔ خدا نے دُنیا میں سلسلۂ اسباب قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں اصل اور حقیقی مُسَبّب کارفرما ہے۔ لیکن انسان بعض قوی الاثر اسباب سے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ اصل مُسَبّب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ مثلاً آفتاب کہ انسانی منافع کے لیے پیدا کیا گیا لیکن انسان نے اسی کو خدا سمجھا یا ستارے کہ وہ حسن و زیبائی اور دوسرے بہت سے منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں مگر انسان نے اسی کی پرستش شروع کر دی، شرک کی اصل وجہ انسان میں غور و فکر کی کمی ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ملکہ سبا کو جس طرح ہدایت کی اس سے یہ حقیقت عیاں ہے۔

سوال: شرک اور ذرائع شرک کے بارے میں بھی کچھ بتا دیجئے؟

جواب:۔ شرک کے یوں تو بہت سے ذرائع ہیں لیکن مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ کسی خاص شخص کی بزرگی اور عظمت کا اتنا قوی احساس کہ اس کو خدا سے غافل کر دے۔

۲۔ جو اعمال اور آداب خدا کے لیے مخصوص ہیں ان کو انسانوں کے لیے اختیار کرنا مثلاً سجدہ جو خدا کے لیے مخصوص ہے کسی انسان کے آگے کرنا۔

۳۔ جو صفات اللہ تعالیٰ کے مخصوص ہیں وہ کسی اِنسان میں بالذات تسلیم کرنا۔ مثلاً انسان کو رازق اور خالق جاننا۔

۴۔ مصائب و آلام میں خدا اور محبوبانِ خدا کے علاوہ سحر و طلسم، جنات و شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کو صاحبِ تصرّف جان کر ان سے مدد طلب کرنا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ محبوبانِ خدا بالذات متصرف نہیں۔ ان کا تصرّف منشاءِ ربّانی کے تابع ہے۔

سوال :- فرشتے کس مخلوق کا نام ہے؟

جواب :- قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں سے مراد وہ غیر مادی ذی روح ہستیاں ہیں جو خدا کے تعالیٰ کے احکام اور پیغامات کو دُنیائے خلق تک پہنچاتی ہیں اور نافذ کرتی ہیں، ان کی فطرت میں اطاعت ہے، یہ سرتابی نہیں کر سکتے۔

سوال :- لیکن ابلیس نے فرشتہ ہوتے ہوئے کیوں نافرمانی کی؟

جواب :- جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا، ایسا نہیں ہے، قرآنِ حکیم نے اس کو جن کہا ہے اسی لیے اس نے نافرمانی کی۔

سوال :- جن کس کو کہتے ہیں؟

جواب :- جن بھی ایک قسم کی مخلوق ہے جو ناری اور ہوائی اجزا سے مرکب ہے۔

سوال :- بعض لوگ جن اور فرشتوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں؟

جواب :- حقیقت میں انسان اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے جو اس کے اردگرد ہے حالانکہ یہ تو کچھ بھی نہیں کائنات اور اس کی مخلوقات بہت وسیع و کثیر ہیں۔

انسان تنگ نظری کی بنا پر انکار کرتا ہے اگر ذرا بھی عقل سے کام لے
انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ اپنی کم علمی پر نادم و شرمسار ہو۔

سوال :- فرشتے کتنے ہیں ؟

جواب :- فرشتے بے شمار ہیں، اصل تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے، البتہ خا
فرشتوں میں یہ چار مشہور ہیں :-

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ۳۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام
۲۔ حضرت میکائیل علیہ السلام ۴۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام

سوال :- فرشتوں کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے ؟

جواب :- یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں، مکرم ہیں،
معصوم ہیں، گناہ نہیں کرتے، توالد و تناسل سے پاک ہیں، اللہ تعالیٰ کی عظم
و جلال سے لرزاں و ترساں ہیں، اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے علاوہ کوئی
کام اپنی منشار سے نہیں کرتے۔

سوال :- فرشتوں پہ ایمان لانا کیوں ضروری قرار دیا گیا ؟

جواب :- وجوہات تو بہت سی ہیں مگر ایک بڑی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے
کہ تصورِ توحید کے بعد اُس وسیلے اور ذریعے کی صداقت و حقانیت کو
واضح کیا جائے جو انبیاء و رسل تک خدا کے پیغام پہنچاتا ہے، خدا پر ایمان
لانے کے سلسلے میں جہاں انبیاء و رسل ایک ذریعہ ہیں وہاں فرشتے بھی ایک
ذریعہ ہیں اس لیے ان پہ ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا۔

کتب آسمانی

سوال :۔ آسمانی کتابوں کی کیا ضرورت ہے، کیا عقل کافی نہیں؟

جواب :۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا، اس کی تربیت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کو صحیفے اور کتابیں دیں تاکہ اس کے مطابق اس کی تربیت کریں چنانچہ انہوں نے تربیت کی اور ہر عہد اور ہر زمانے میں اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوتے، یہ نتائج خود اس امر کی سب سے بڑی شہادت ہیں کہ انسان کو آسمانی کتابوں کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ تمام انسانوں کی عقل ایک جیسی نہیں اور ان کو وہ بصیرت بھی حاصل نہیں کہ مستقبل کے متعلق ٹھیک ٹھیک فیصلے صادر کر سکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صدیوں پہلے عقل نے جو اصول بنائے تھے وہ خود اس نے رد کر دیئے۔ اس حقیقت سے عقل کی بے بسی ظاہر ہے۔ اس لیے ہم اس ذریعہ کو کیوں نہ قبول کریں جس کی رفتار عقل سے بہت تیز ہے اور جس کے فیصلے اٹل ہیں یعنی وحی ـــــ اس میں خود ہمارا فائدہ ہے اور وہ یہ کہ عقل کے ذریعہ جو بات برسوں بلکہ صدیوں میں معلوم ہوتی ہے وحی چند لمحوں میں

بتا دیتی ہے اور اس طرح وقت اور زندگی دونوں کا زیاں نہیں ہوتا اور انسان کو مختصر وقت میں بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے ۔اس لیے وحی کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا عین عقل کے مطابق ہے اور سراسر انسان کے فائدے میں ہے ۔اس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب قرآن و حدیث کے احکام اور دورِ جدید کے احکام و آئین کا تقابلی مطالعہ کریں گے ۔

جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا تو دنیا کی ہر چیز اس کے لیے انجانی تھی ، ایک اجنبی ماحول میں وہ خود کو تنہا محسوس کرتا ہوگا ، غور کیجیے اگر وہ اپنی زندگی کی بنیاد عقل پر رکھتا تو اب تک صحرائی زندگی گزارتا لیکن یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے دنیا میں بھیج کر انسان کو وہ کچھ بتا دیا جو اس کو معلوم نہ تھا اور وحی کے ذریعہ اس کی رہنمائی فرما کر اس کو مہذب و متمدن بنایا ۔

ہر ہر عمل کی اچھائی برائی معلوم کرنے کے لیے عقل کو برسوں کے تجربات درکار تھے لیکن جب اس زمین پر آیا تو اس کو فوری طور پر ان فیصلوں کی ضرورت تھی ۔ وحی نے اس ضرورت کو پورا کیا اور اس کو صدیوں کی کلفت سے بچا دیا ۔

فی الحقیقت وحی کے ذریعہ جو کچھ بتایا جاتا ہے وہ انسان کی اشد ضرورت ہوتی ہے ۔ جہاں انسان عاجز ہوتا ہے وہاں قدرت اس کی دست گیری فرماتی ہے ۔ شیر خوار بچے کو کس حیرت انگیز طریقے سے رزق پہنچایا جاتا ہے —— بے آب و گیاہ میدانوں کو کس طرح سیراب کر کے باغ و بہار بنایا جاتا ہے —— پس اسی طرح عقل و دل کی بنجر زمین کو وحی کے ذریعہ سیراب کیا گیا اور اس ضرورت کو پورا کیا جس کے بغیر اس دنیا میں

انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ــــــــ یہ کیسی احسان فراموشی ہوگی کہ وُہ رحیم وکریم ہماری طرف متوجہ ہو اور ہم اس کی بالکل پروا نہ کریں۔

سوال :۔ یہ کس طرح معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم اللہ کی کتاب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں۔

جواب :۔ ایک انسانِ کامل جب مقامِ رسالت سے بولتا ہے تو اس کی آواز اور کلام عجیب وغریب تاثیر رکھتا ہے اور وہ انسان جن کو اپنی سخن دانی اور سخن گوئی پر غرور وتکبر ہے وہ ہکا بکا رہ جاتے ہیں ــــــ اور جب وہی انسان خود کچھ کہتا ہے تو اس کی آواز اور کلام پہلی آواز اور پہلے کلام سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ ایک ہی انسان کی آواز وکلام میں یہ حیرت انگیز فرق ناممکن ہے۔ یقیناً کوئی غیبی قوت ہے جو اس کی زبان سے گویا ہے۔ پس یہ اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآنِ کریم خدا کا کلام ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور وفکر ہے کہ جو انسان صادق وامین ہے اور اس کی صداقت وامانت کا یہ عالم ہے کہ دشمن تک اس کے پاس اپنی امانتیں رکھواتے اور سچا جانتے ہیں، جس نے زندگی بھر اپنے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے جھوٹ بولا۔ ایسا صادق وامین انسان جب یہ کہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ اس کا کلام نہیں، خدا کا کلام ہے تو اس کو کیسے جھوٹ سمجھ لیا جائے کیا ایسے سچے انسان سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ باندھے گا؟

اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر میں رکھنی چاہیئے کہ جو کچھ اس نے کہا اس

سے اس کو فائدہ پہنچا یا نقصان۔ کیا دُنیا میں کوئی ایسا انسان ہے جو عمداً جھوٹ بول کر تکلیف میں مبتلا ہو؟ ہر انسان تکلیف سے نجات پانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے لیکن جب ایک انسان اعلانِ حق کرتا ہے اور چاروں طرف سے دشمن اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، مگر وہ اس اعلان سے باز نہیں آتا، بے شک عقل کہتی ہے کہ یہ ایک غیبی پیغام ہے جو وہ لے کر آیا ہے، یہ قرآنِ کریم ہے، یہ فرقانِ حمید ہے، یہ سراجِ منیر ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جو کچھ وہ پیغام دے رہا ہے، غلط نہیں، حرف بحرف صحیح ہے، جو وہ خبریں دے رہا ہے، ایک ایک کر کے سب پوری ہو رہی ہیں —— کیا کسی انسان نے صدیوں پہلے واقعات و حادثات کی خبریں دی ہیں اور ایسی صداقتوں کو آشکار کیا ہے جس کو عقل جھٹلا نہ سکی؟ ہرگز ہرگز ایسا انسان پیدا نہیں ہوا۔ پس بلاشبہ قرآنِ کریم خدا کا کلام ہے اور اس کا کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا اسی لیے قرآنی صداقتوں کو آج تک کوئی نہ جھٹلا سکا۔

سوال :- کل کتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں؟

جواب :- قرآنِ کریم میں صرف چار کتابوں کا ذکر ہے یعنی توریت (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی) زبور (جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی) انجیل (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی) اور قرآن (جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔) ان کتابوں کے علاوہ تقریباً ایک سو صحیفے حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت ابراہیم علیہم السلام پر نازل ہوئے

سوال :۔ کیا سب کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے ؟
جواب :۔ جی ہاں ، سب کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے کیوں کہ سب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ۔
سوال :۔ تو پھر ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہو گا ؟
جواب :۔ سوائے قرآن کے کسی کتاب پر عمل کرنا ضروری نہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی ملک کا ایک آئین بنے ، پھر انسانی حالات اور طبائع کے لحاظ سے دوسرا آئین نافذ کیا جائے ، پھر انہیں وجوہات کی بنا پر تیسرا قانون نافذ کیا جائے ـــــ اس طرح ہر نیا قانون نافذ العمل ہو گا اور پچھلا قانون لائقِ احترام ـــــ

اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی پھر انسان کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت دوسری کتاب نازل فرمائی پھر تیسری اور چوتھی لیکن جب حالات اور طبائع ایک راستہ پر لگ گئے اور ارتقائی عمل پورا ہو گیا تو قرآنِ حکیم نازل کیا گیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے ۔ جس طرح یہ چودہ سو سال پہلے قابلِ عمل تھا آج بھی قابلِ عمل ہے ۔ یہ حقیقت اس کی ابدیت پر گواہ ہے ۔
سوال :۔ کیا تمام کتابیں اپنی اصلی حالت میں ہیں ؟
جواب :۔ سوائے قرآنِ حکیم کے کوئی کتاب اپنی اصلی حالت میں نہیں ـــــ
توریت عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی ، اور زبور و انجیل سریانی میں ۔ یہ زبانیں مُردہ ہو چکی ہیں ۔ اس کے علاوہ تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ توریت اور انجیل حقیقی نہیں ۔ اس میں بڑا ردوبدل ہوا ہے اس لیے لائقِ اعتماد نہیں

سوال :- ان کتابوں سے انسان کو کیا فائدہ پہنچا؟
جواب :- فائدہ تو ظاہر ہے، ان کتابوں سے انسان، انسان بنا ——— اور حقیقت میں کتاب وہی ہے جو انسان کو انسان بنائے، خونخوار درندہ نہ بنائے۔

قرآنِ کریم ہی کو لیجئے اس نے کس حیرت انگیز طریقے پر ایک قوم کی کایا پلٹ دی ——— چرواہوں کو مالک تخت و تاج بنا دیا ——— اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا اس انقلاب کے لپیٹ میں آگئی۔ یورپ کو روشنی دکھائی اور جہالت کی تاریکیوں سے نکالا۔ اور آج بھی جہاں جہاں تعمیری انقلابات آرہے ہیں وہ سب قرآنِ حکیم اور تعلیماتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرہونِ منت ہیں۔ اگر انقلابیوں کے حالات اور ان کے ادب کا مطالعہ کریں تو یہ بات بالکل واضح ہو سکتی ہے۔ قرآنِ حکیم کے ترجمے دُنیا کی سَو سے زیادہ زبانوں میں ہو چکے ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انقلابی ایک ایسی کتاب کو نہ پڑھے جس نے صدیوں پہلے ایک انقلاب آفریں پیغام دے کر دُنیا اور دنیا والوں کی قسمت پلٹ دی تھی؟

سوال :- آسمانی کتابوں میں قرآنِ کریم کا کیا مقام ہے؟
جواب :- جو مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں حاصل ہے وہی مقام دوسری آسمانی کتابوں میں قرآنِ کریم کو حاصل ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اسی طرح قرآنِ حکیم خاتم الکتب ہے۔

سوال :- کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآنِ کریم جمع کر لیا گیا تھا ؟
جواب :- بیشک بعض احادیث اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآنِ کریم جمع کر لیا گیا تھا۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایما پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا تھا لیکن یہ بات قطعی ہے کہ قرآنِ کریم کی سورتوں کی ترتیب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رکھی گئی ہے۔
سوال :- پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جامع قرآن کیوں کہا جاتا ہے ؟
جواب :- اگر جامع کا لفظ تدوین کے معنی میں استعمال کیا جائے تو صحیح نہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے قرآنِ کو ایک قرأت پر جمع کیا اور مختلف نسخے اس قرأت کے مطابق نقل کر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں ارسال فرمائے۔
سوال :- کیا قرآنِ کریم اسی صورت میں لکھا ہوا تھا جیسا آج کل ہم لوگ پڑھتے ہیں ؟
جواب :- عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ خلافت کے قرآنی اوراق اور قلمی نسخے جو آج بھی موجود ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرآنِ کریم خطِ کوفی میں لکھا جاتا تھا، اور حروف پر نقطے بھی نہیں لگائے جاتے تھے۔ اعراب کا تو سوال نہیں پیدا ہوتا کہ قرآنِ کریم اہلِ عرب کی زبان میں نازل ہوا تھا ــــــ نقطے اور اعراب پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج بن یوسف نے لگوائے تاکہ عجمیوں کو قرآنِ حکیم پڑھنے میں دقت محسوس نہ ہو۔
سوال :- کیا قرآن کو تسلیم کر لینا کافی ہے ؟

جواب :۔ اگر مریض کے لیے نسخے میں لکھی ہوئی ادویات کو تسلیم کرلینا کافی ہوتا اور اس سے اس کی صحت یابی ممکن ہوتی تو یہ کہا جاتا کہ تسلیم کرلینا کافی ہے لیکن قرآن کتابِ حکمت ہے ۔اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا دونوں ضروری ہیں۔ سمجھنا اس لیے تاکہ عمل کیا جا سکے اور عمل کرنا اس لیے تاکہ زندگی بنائی جا سکے ، جسمانی اور روحانی صحت حاصل کی جا سکے ۔

انبیاء و رُسل

سوال :۔ کیا انسان کی ہدایت کے لیے رسول کی ضرورت ہے ؟

جواب :۔ عرض کیا جاچکا ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے کتاب اللہ کی ضرورت ہے اب لامحالہ ایسے انسان کی ضرورت ہوگی جو اس کتاب کا حامل ہو اور جس کی سیرت اس کتاب کا آئینہ ہو کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ پڑھ کر نہیں دیکھ کر بنتا ہے۔

سوال :۔ رسول کی کیا پہچان ہے اور اس کی کیا نشانیاں ہیں ؟

جواب :۔ انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو تین طرح کے انسان ملتے ہیں ۔

۱۔ ایک وہ جو گناہ کی راہ اختیار کرتے ہیں اور ان کو اس غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرے وہ جو گناہ کرتے ہیں لیکن احساسِ گناہ کی وجہ سے ان کا نفس ملامت کرتا ہے اور وہ ندامت اور شرمساری محسوس کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ جو نیکی کی راہ اختیار کرتے ہیں اور ان کے دل میں بدی کا خطرہ تک نہیں گزرتا۔

نوعِ انسانی کے لیے اگر کوئی ہادی اور راہبر بن

سکتا ہے تو وہ یہی تیسری قسم کا انسان ہے جس کو انسانِ کامل کہا جاتا ہے۔
اسی لیے قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد ہوتا ہے :۔

(اے مسلمانو!) تمہارے آقا نہ گمراہ ہوئے اور نہ بھٹکے
اور وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو
کہلوایا جاتا ہے۔ (النجم: ۲ تا ۴)

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں ہادیٔ برحق اور رسول کے لیے یہ اصول مرتب
کیے جا سکتے ہیں :۔

۱۔ وہ گمراہ نہ ہو کہ جو خود گمراہ ہے وہ دوسروں کو راہِ راست پر کیسے
لگا سکتا ہے!

۲۔ وہ راستہ سے بھٹکا ہوا بھی نہ ہو کہ جو خود بھٹک جائے وہ دوسروں کو
منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔

۳۔ وہ جو کچھ کہتا ہو خواہشِ نفس سے نہ کہتا ہو بلکہ جذبات اس کے تابع
ہوں، وحیٔ الٰہی سے مستفیض ہو اور وہ کچھ بتاتا ہو جو انسانی عقل نہیں
بتا سکتی۔

سوال :۔ یہ بات تو بڑی عجیب ہے کہ خدا اپنے بندوں کو نبی اور رسول
بنا کر بھیجتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

جواب :۔ ہمیں وہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے جس کا ہمیں علم نہیں اور
جب علم ہوتا ہے تو وہی عجیب بات معمولی ہو جاتی ہے، ماضی کی بہت سی

معمولی ہو جائیں گی۔ تو درحقیقت نبیوں اور رسولوں کا آنا انہیں کے لیے عجیب ہے جن کو حقیقت کا علم نہیں، جن کو علم ہو گیا ان کے لیے عجیب نہیں۔

عام انسانوں اور جانوروں کے حواس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چیونٹی کی قوتِ شامہ، چیل کی قوتِ باصرہ، ٹڈے کی قوتِ سامعہ اور چمگادڑ کی قوتِ لامسہ حیرتناک ہے اور عام انسانوں سے کہیں زیادہ۔

تو جب معمولی جانوروں کا یہ حال ہے تو ایک انسانِ کامل جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نامعلوم حقیقت کی طرف سے آوازیں سنائی دے رہی ہیں جو عام لوگ نہیں سُن سکتے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً تعجب کی بات تھی کہ انسان کے لیے تو یہ فرمایا ہے:-

اور بیشک ہم نے انسان کو سب سے اچھی ساخت میں بنایا (التین)

اللہ تعالیٰ قدم قدم پر انسان کی دستگیری فرماتا ہے، جہاں انسان اپنی تربیت سے عاجز ہے وہاں خدا تعالیٰ خود تربیت و پرورش کا بندوبست فرماتا ہے ——— پیدائش کے فوراً بعد شیرِ مادر سے سیراب فرماتا ہے اور آج تک کوئی معلوم نہ کر سکا کہ یہ فیض کہاں سے جاری ہوا؟ ——— جس نے انسان کی جسمانی بھوک و پیاس دور کرنے کے لیے یہ حیرت انگیز اہتمام فرمایا وہ اس کی روحانی بھوک و پیاس دُور کرنے کے لیے کیوں اہتمام نہ فرماتا۔ اس نے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا اور آج تک اہلِ عقل حیران ہیں کہ یہ فیض کہاں سے جاری ہوا۔ جس طرح شیرِ مادر سے سیراب ہونے والے بچے کی اُٹھان

قابلِ دید ہے۔ اسی طرح سیرابیٔ روح کے بعد انسان کی اُٹھان دیدنی ہوتی ہے۔

سوال :۔ رسول کس کو کہتے ہیں؟

جواب :۔ جس کو اللہ تعالیٰ نبوت دے کر مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجتا ہے تاکہ انسان اپنے خدا سے واقف ہو، اس کی عبادت میں مصروف ہو اور بُرے اور بھلے کاموں کی تمیز حاصل کر کے اپنی عاقبت سنوارے۔

سوال :۔ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب :۔ رسول پر کتاب نازل ہوتی ہے اور نبی پر نہیں ہوتی۔ دونوں کا کام دعوت و تبلیغ ہے اس لیے ہر رسول، نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔

سوال :۔ کیا عورتوں میں بھی نبی ہوتے ہیں؟

جواب :۔ جی نہیں عورتوں میں نبی نہیں ہوتے لیکن یہ سعادت عورتوں کے حصے میں آئی کہ ان کو انبیاء و رسل کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے شرف و بزرگی سے ان کو بھی محروم نہ رکھا۔ اس کے ہاں غیر فطری مساوات نہیں، وہ فطرت کے مطابق نوازتا ہے۔

سوال :۔ پہلا نبی کون ہے اور آخری نبی کون؟

جواب :۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال :۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہوگا؟

جواب :۔ جی نہیں، اگر ایسا ہوتا تو حضور خاتم النبیین نہ ہوتے۔ حق جل مجدہٗ کی طرف سے قرآن کی حفاظت اور سیرت رسول علیہ السلام کی حفاظت میں یہ اعلان :۔

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا (الانشراح)

مستقبل میں کسی متوقع نبی کی ضرورت کو خود بخود ختم کر دیا۔ جب قرآن بھی موجود ہے اور سیرت رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بھی تو پھر کسی نبی کی ضرورت کیا رہ گئی ؟ ——— اللہ تعالیٰ بغیر ضرورت کسی کو نہیں بھیجتا۔

سوال :۔ کیا سب نبی اور رسول برابر ہیں ؟

جواب :۔ جی نہیں، سب برابر نہیں، خود قرآنِ کریم میں فرقِ مراتب کا ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"یہ رسول ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر ہم نے شرف و بزرگی دی"

(البقرۃ : ۲۵۳)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور رسل میں افضل ہیں، جو نبیوں اور رسولوں میں افضل ہے وہ تمام انسانوں میں کیوں نہ افضل ہوگا ؟

سوال :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآنِ کریم نے کیا بیان کیا ہے ؟

جواب :۔ دیکھا جائے تو قرآن کل کا کل سیرتِ رسول ہی ہے۔ ویسے قرآنِ کریم میں بہت سی آیات ہیں۔ بعض میں آپ کے عجز و انکسار کا ذکر ہے اور بعض میں آپ کے جلالت و جبروت کا۔ دوسری قسم کی آیات میں بالعموم اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں سے خطاب فرمایا ہے اور پہلی قسم کی آیات میں حضور صلی اللہ

کی زبانی مسلمانوں سے خطاب فرمایا ہے۔ مسلمان کو آپ کی عظمت و بزرگی اور عشق و محبت کی دل میں پرورش کرنی چاہیئے اور ایسے خیالاتِ فاسدہ کو دل سے نکال دینا چاہیئے جو مقامِ محبت سے گرا کر کفار و مشرکین کی صف میں لا کھڑا کریں۔

قرآن کی مختلف صورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و آداب بیان کیے گئے ہیں مثلاً

آلِ عمران، مائدہ، توبہ، شعرا، احزاب، قلم، بنی اسرائیل، نجم وغیرہ

۱۔ سورۂ توبہ میں فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ ان کو راضی کیا جائے"

۲۔ سورۂ قلم میں فرمایا کہ "آپ کے اخلاق اعلیٰ ہیں اور آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے"

۳۔ سورۂ توبہ میں فرمایا کہ "جب تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور راہِ خدا میں جہاد کو اپنے والدین، اولاد، مال و دولت، مکانات و محلات اور مالِ تجارت سب سے زیادہ محبوب نہ رکھو"

۴۔ سورۂ احزاب میں فرمایا "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کے والد نہیں ہیں وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین یعنی آخری نبی"

۵۔ سورۂ نجم میں فرمایا کہ "تمہارے آقا نہ بھٹکے اور نہ بہکے اور یہ وہی کہتے

ہیں جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے ؛

۶۔ سورۃ اسریٰ میں فرمایا' پاک ہے وہ جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے گیا جس کے ارد گرد برکت ہی برکت ہے' (اس لیے لے جایا گیا) تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں؛

۷۔ سورۃ ضحیٰ میں فرمایا' تمہاری آنے والی گھڑیاں پچھلی گھڑیوں سے بہتر ہیں' تمہارا رب تم کو اتنا دے گا اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے ؛

بہت سی آیات ہیں کہاں تک بیان کیا جائے گا اور کس کس کا ذکر کیا جائے!

سوال :۔ کیا میدانِ محشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے ؟

جواب :۔ جی ہاں، شفاعتِ کبریٰ سے آپ کو ہی مشرف کیا جائے گا۔ جب تمام انبیاء و رسل خشیتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں ہوں گے تو آپ ہی حضورِ حق جل مجدہٗ تمام مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے اور مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔

سوال :۔ معراج کس کو کہتے ہیں ؟

جواب :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بنفس نفیس آسمان پر جانے' قربِ الٰہی سے مشرف ہونے اور جنت و دوزخ کی سیر کرنے کو معراج کہتے ہیں۔ اس کا کچھ ذکر سورۃ اسریٰ میں ہے اور کچھ سورۃ نجم میں اور احادیث میں بہت تفصیل آئی ہے۔

سوال :۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور ملائکہ کے سردار ہیں ؟

جواب :۔ جی ہاں ! اس آیت سے آپ کا سردار انبیاء ہونا ثابت ہوتا ہے۔

' اور جس وقت اللہ نے پیغمبروں سے یہ عہد لیا کہ جو کچھ تم

کو کتاب و حکمت سے دوں ایک پیغمبر اس کی تصدیق کرنے آئے گا، تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ اللہ نے کہا ' کیا تم اقرار کرتے ہو؟' ـــــ سب نے کہا ' ہاں! ہم نے اقرار کیا '! ـــــ اللہ نے فرمایا کہ ' شاہد رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہد ہوں، پس جو اس عہد کے بعد پھر جائے وہ گمراہ و بدکار ہے۔' (آلِ عمران)

سوال :۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو کوئی جان سکتا ہے؟

جواب :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت تو بڑی چیز ہے، انسان کو خود اپنی خبر نہیں ـــــ آپ کی حقیقت سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم اس لیے اس مسئلے پر بحث کرنے سے ادباً بچنا چاہیے اور دل میں آپ کی محبت اور عظمت کی پرورش کرنی چاہیے۔ عاشق، محبوب کی حقیقت دریافت نہیں کرتا اس کو تو سر فروشی اور جاں نثاری کے سوا کچھ کام نہیں۔

سوال :۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اب بھی جاری ہے؟

جواب :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور رحمت کا سلسلہ ہرگز منقطع نہیں ہوا۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ کو سمجھنے کے لیے قرآنِ کریم کی اس آیت کو ملاحظہ کریں جس میں شہداء کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ شہید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل

اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے کہ شہید کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور اس کی ازواج سے دوسرے شادی کر سکتے ہیں۔ لیکن رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ترکہ تقسیم نہیں ہوا اور آپ کی ازواج کو دوسروں کے لیے حرام کر دیا گیا کہ وہ مومنین کی مائیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ شہدا سے کہیں عالی و بلند ہے۔

سوال :- بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا تو بڑی بے باکی اور گستاخی کی بات ہے، جلیل القدر فرشتوں اور پیغمبروں جیسا بھی نہیں کہہ سکتے کہ آپ سب کے سردار ہیں —— ہیرا اگرچہ پتھر ہے مگر کوئی ناداں اس کو پتھر نہیں کہتا ہیرے اور عام پتھر میں کوئی نسبت ہی نہیں، وہ انمول ہے اور اس کو کوڑیوں کے مول بھی کوئی لینے کے لیے تیار نہیں۔

سوال :- کیا دوسرے مذاہب نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی ہے؟

جواب :- جی ہاں، خصوصاً ان مذاہب نے جنہوں نے دینِ وحید اسلام سے ٹوٹ کر اپنا الگ راستہ بنا لیا ہے۔ تحریف کے باوجود توریت و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ انجیل برنا باس میں تو متعدد مقامات پر صاف صاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی محمد اور احمد بھی آیا ہے۔ گوتم بدھ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے مرتے وقت اپنے چیلے سے یہ بات

(رحمۃ للعالمین) کہیں گے۔ یہ آخری نبی نہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں
آتھربن وید، رگھ وید، یجر وید، اور راسنگ رام وغیرہ میں صراحت کے ساتھ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ملتا ہے۔

سوال :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جشنِ ولادت منانا کیسا ہے ؟

جواب :۔ بہت ہی خوب ہے، آپ ہی کی وجہ سے یہ مجلسِ کائنات سجائی گئی، یہ سبزہ وگل، یہ آفتاب و ماہتاب اور یہ ستارے آپ ہی کے دم قدم کا ظہور ہیں۔ اس لیے جشنِ میلاد منانا تو باعثِ برکت و رحمت اور موجبِ الفت و محبت ہے۔ ہاں اس میں کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیئے جو خلافِ شرع ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا باعث ہو۔

سوال :۔ بعض حضرات صلوٰۃ وسلام کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے ؟

جواب :۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، حدیث میں آتا ہے کہ درود وسلام کے تحفے فرشتے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، ایسی صورت میں جب پیش کیا جائے گا تو عاشقوں کی ہیبت کا بھی ذکر کیا جائے گا جو موجبِ مسرت ہو گا۔ بہت سے علماء وصوفیاء کا اس پر عمل رہا ہے اس لیے اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔[1]

---

[1] قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں، اس کے بہت سے فرشتے بھی بحالتِ قیام درود بھیج (باقی اگلے صفحہ)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ عہدِ رسالت میں رائج نہ تھا اور نہ عہدِ صحابہ و تابعین میں؟

جواب: کسی چیز کا ان مبارک عہدوں میں نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ ناجائز ہے البتہ ممانعت کی گئی ہو تو یقیناً ناجائز ہے لیکن ہم نے بہت سی ایسی چیزوں کو بھی جائز کر لیا ہے جس کی حدیث شریف میں ممانعت ہے، شاندار مکانات بنانے کی ممانعت ہے، بڑے بڑے شہر آباد کرنے کی ممانعت ہے، اب چاہیئے کہ مکانات ڈھا دیئے جائیں اور شہر ویران کر دیئے جائیں۔ تو جب ایسی بہت سی چیزیں ہم برداشت کر رہے ہیں جس میں سراسر نقصان ہے تو ایسی چیز کو کیوں برداشت نہیں کر سکتے جس کی کہیں ممانعت نہیں کی گئی اور جس میں دنیا اور آخرت دونوں کا نفع ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۴) رہے ہیں تو قیام میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ فی زمانہ سامعین سرکاری محفلوں میں قومی ترانے کے وقت کھڑے ہوتے ہیں حالاں کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ترانہ تھا اور نہ اس کا یہ احترام، پھر نہ معلوم صرف صلوٰۃ وسلام پر کیوں پابندی ہے؟

ایک نکتہ پیشِ نظر رہے کہ آیت شریفہ میں جو صلوٰۃ وسلام کا ذکر کیا گیا ہے اس میں استمرار ہے یعنی کوئی وقت خالی نہ رہنے پائے، ہر وقت درود وسلام پڑھتے رہیئے لیکن حالتِ اذان اور نماز میں یہ استمراری کیفیت ختم ہو سکتی تھی مگر یہاں بھی محبوب کے ذکر اور درود وسلام کو شامل کر کے استمراری حالت کو قائم رکھا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! (مسعود)

سوال :۔ کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُنیا کے بعد کسی آنے والی دُنیا کی خبر دی ہے ؟

جواب :۔ قرآنِ کریم میں حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی خبر دی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے یعنی جو کچھ اس دُنیا میں کیا جائے گا اس کی جزا و سزا آخرت میں ضرور ملے گی۔ ظالم اپنے ظلم کا مزہ چکھے گا اور مظلوم اپنی مظلومیت کی جزا پائے گا۔ اگر آخرت کا تصور سامنے نہ ہوتا تو ظلم و ستم اور مظلومیت کا عقدہ حل نہ ہو سکتا تھا۔ اور انسانی زندگی ناتمام معلوم ہوتی ۔

سوال :۔ آخرت کس کا نام ہے اور کون سی منزل ہے ؟

جواب :۔ موت کے بعد جنت و دوزخ میں داخل ہونے یا قیامِ قیامت تک کے عرصہ کو آخرت کہا جاتا ہے اس دنیوی زندگی کے بعد یہی منزل درپیش ہے ۔

سوال :۔ بعض لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے بھی کچھ فرمائیں ۔

جواب :۔ جو لوگ دوسری زندگی کے منکر ہیں وہ یقیناً پہلی زندگی کا اقرار کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جو

قرآنِ کریم نے یہی دلیل پیش کی ہے اور بہار و خزاں کے مناظر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو خدا ایک بار وجود میں لاسکتا ہے وہ فنا کرکے دوبارہ وجود میں کیوں نہیں لاسکتا؟

آخرت میں جی اُٹھنے والی بات آخرت کے ساتھ ہے، دنیوی زندگی کے طویل دور میں انسان کے اپنے وجود میں کئی انقلابات آتے ہیں اور یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ ایک جوان وہ نہیں جو بچپن میں تھا اور ایک بوڑھا وہ نہیں جو جوانی میں تھا یعنی اس کا گوشت و پوست اور ہڈیاں تک سب بدل چکی ہیں حالاں کہ اس کو ہم مستقل زندہ دیکھ رہے ہیں مگر وہ کئی بار مر کر جی چکا ہے۔

اس کے علاوہ اس حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جو خیالات ہمارے دِل میں گزرتے ہیں ہم بہت جلد انہیں بھول جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ زندہ رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اُبھرتے رہتے ہیں اور اس میں ہمارے ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ یہ حافظہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس پر ہمیں قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ ماہرِ نفسیات یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ خیالات اس اہتمام کے ساتھ کس عظیم مقصد کے لیے جمع کیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ عظیم مقصد آخرت کی زندگی ہی ہوسکتی ہے۔

یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ انسان کے دِل میں زندہ رہنے کی ایک تڑپ ہے جس طرح معبود کے آگے جھکنے کی ایک تڑپ ہے۔ انسانی فطرت خود بتارہی ہے کہ وہ زندہ رہے گا اور مرنے کے بعد ہمیشہ کے

لیے مٹی میں نہیں ملا دیا جائے گا۔ ورنہ اس کے اندر جینے کی اتنی شدید تڑپ نہیں ہوتی۔

سوال :- قیامت کس کو کہتے ہیں اور یہ کونسا عظیم حادثہ ہے ؟

جواب :- قرآنِ کریم میں جابجا اس عظیم حادثے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہ پورا نظامِ شمسی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا اور کائنات اُلٹ پلٹ ہو جائے گی۔ مرنے کے بعد سب جی اُٹھیں گے، خداوندِ قدوس کے حضور پیشی ہوگی اور اپنے اپنے اعمال کی جزا اور سزا پائیں گے [۱]

سوال :- قیامت کب آئے گی ؟

جواب :- قرآن و حدیث میں اس کا وقت اور دن و تاریخ تو نہیں بتائی گئی البتہ اس کے آثار اور نشانیاں ضرور بتا دی ہیں جن میں بہت سی ظاہر ہو چکی ہیں اور بہت سی ظاہر ہو رہی ہیں اور بہت سی آئندہ ظاہر ہوں گی۔ من جملہ ان کے یہ بھی ہیں کہ آفتاب مغرب سے نکلے گا، دُنیا میں ایک دھواں پھیل جائے گا، مشرق و مغرب میں زمین تین جگہ دھنس جائے گی، یمن کی طرف سے ایک آگ نمودار ہوگی، قرآن مجید اُٹھا لیا جائے گا۔ اور دُنیا میں کافر ہی

---

[۱] ایک جغرافیہ دان نے لکھا ہے کہ ہمارے آباد شہروں اور ریتلے سمندروں کے نیچے ایک قدرتی جہنم دہک رہی ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ ہم ایک عظیم ڈائنامیٹ کے اوپر کھڑے ہیں جو کسی وقت بھی پھٹ کر سارے نظامِ ارضی کو درہم برہم کر سکتا ہے۔

کافر رہ جائیں گے۔

سوال :۔ آخرت پر یقین کیوں ضروری قرار دیا گیا ؟

جواب :۔ آخرت پر یقین سے انسانی زندگی میں بہار آگئی ہے ورنہ سوائے مایوسی اور نا اُمیدی کے کچھ حاصل نہ ہوتا ــــ موت اور پھر کچھ نہیں ــــ زندگی ایک تماشا بن کر رہ جاتی ــــ تصورِ آخرت نے انسانی نظر میں وسعت پیدا کی۔ وہ محدود عالم سے نکل کر ایک لامحدود عالم میں داخل ہوا۔ اگر یہ لامحدود عالم نہ ہوتا تو زندگی کتنی مختصر، کتنی بے اثر اور کتنی محدود ہوتی ــــ اور خدا پر ایمان لانے کے بعد یہ عقدہ نہیں کھلتا کہ آخر دُنیا کو کیوں بنایا گیا۔ اور اعمال کی رنگا رنگی سے کیوں سجایا گیا ؟

سوال :۔ کیا مر کر انسان نیست و نابود ہو جاتا ہے ؟

جواب :۔ ہرگز نہیں جسم ضرور نابود ہو جاتا ہے اور وہ بھی بعض انسانوں کا، البتہ روح زندہ رہتی ہے اور مرنے کے بعد سے قیامت تک اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی نیکیوں سے مستفیض ہوتی رہتی ہے، گویا مرنے کے بعد بھی ترقی کا عمل ختم نہیں ہوتا اور عالمِ برزخ میں کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے اس کے علاوہ ہماری زندگی پر اس تصور کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔

انسان کو خارجی خوف اور ڈر مؤثر طریقے پر برائیوں سے نہیں روک سکتا۔ جب تک وہ خوف اندر نہ ہو۔ مثلاً ایک ملازم اپنے افسر سے اسی وقت تک خائف رہتا ہے جب تک وہ اس کے سامنے ہے، پیٹھ پیچھے جو چاہے کر گزرتا ہے لیکن خُدا کے حضور آخرت میں جوابدہی کا احساس انسان

کو خلوتوں اور تنہائیوں میں بھی برائیوں سے روکے رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت پر یقین کامل ہوتا ہے تو عظیم معاشرہ جنم لیتا ہے۔

سوال :۔ روح کی حقیقت کیا ہے اور یہ کس شئے کا نام ہے؟

جواب :۔ قرآنِ کریم نے بڑی آسانی سے اس عقدہ کو حل کر دیا ہے جو آج تک حل نہ ہو سکا —— قرآنِ کریم میں روح کو 'امرِ ربّ' کہا گیا ہے۔ یعنی 'حکمِ الٰہی' یا 'فرمانِ شاہی' —— فرمانِ شاہی میں کاغذ و حروف فرمان نہیں بلکہ وہ روح فرمان ہے جو کاغذ و حروف میں چھپی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک فرمان سے دوسرا فرمان بے اثر نہیں ہوتا۔ پس اسی طرح جسمِ انسانی بمنزلِ کاغذ و حروف کے ہے اور روح بمنزل فرمانِ الٰہی کے پس رُوح وہ نادیدنی حکم ہے جو فرمان میں چھپا ہوتا ہے اور اسی سے اس فرمان کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔

سوال :۔ قبر کی حقیقت کیا ہے؟

جواب :۔ حقیقت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں جس میں لاش کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالمِ برزخ کو قبر کہا جاتا ہے جس میں انسان مرنے کے بعد سے قیامت تک رہتا ہے۔ اس طرح حادثے یا طبعی موت سے مرنے والے ہر انسان سے اسی عالم میں سوال و جواب کیا جائے گا۔

سوال :۔ عالمِ برزخ میں قیامت تک رہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب :۔ وجوہات تو بہت سی ہیں من جملہ ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان اپنے پس ماندگان کے اعمالِ جاریہ اور صدقات و خیرات سے منتفع

ہوتا رہے اور اس کا بارِ گناہ کچھ ہلکا ہو۔ گویا دنیوی مہلت کے بعد یہ دوسری برزخی مہلت ہے۔ اول الذکر میں خود انسان اپنے لیے منافع جمع کر سکتا ہے اور موخر الذکر میں وہ مجبور ہو جاتا ہے اور دوسرے اس کے لیے منافع جمع کرتے ہیں۔

سوال :۔ کیا عالمِ برزخ میں روحیں آپس میں ملتی ہیں ؟

جواب :۔ بیشک مومنوں کی روحیں آپس میں ملتی ہیں اور اپنے عزیزوں کے حالات دریافت کرتی ہیں —— چونکہ اس وقت روحیں جسموں سے علیحدہ ہوتی ہیں اس لیے اس رکاوٹ کے ختم ہونے کے بعد ان کے اختیار وقوت میں حیرت انگیز اضافہ ہو جاتا ہے۔

سوال :۔ کیا پس ماندگان کی نیکیاں اور صدقات اور خیرات مرنے والے کو نفع پہنچاتے ہیں ؟

جواب :۔ بیشک اعمالِ جاریہ صدقات و خیرات مرنے والے کو نفع پہنچاتے ہیں۔ اس لیے میت کے عزیزوں کو اس کی طرف سے غافل نہ رہنا چاہیئے خصوصاً اولاد کو کہ ان کے اعمال کا ان کے والدین سے گہرا تعلق ہے —— زندگی میں انسان، انسان کا محتاج ہے، مرنے کے بعد تو احتیاج اور بڑھ جاتی ہے کہ مرنے والا کچھ کر نہیں سکتا ماسوائے خدا کے محبوبوں کے۔

سوال :۔ دُنیا کے کاموں کا آخرت کی زندگی سے کیا تعلق ہے ؟

جواب :۔ بہت قوی تعلق ہے، اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو انسانی اعمال بے نتیجہ ہو کر رہ جاتے۔ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ آخرت کے سارے امور کا

دار و مدار دُنیا ہی کے اچھے بُرے کاموں پر ہوگا۔ گویا دُنیا نہ ہو تو آخرت کا تصور بے اثر ہو کر رہ جاتے۔

دوسرے مذاہب نے بھی اس حقیقت کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے۔ آخرت کے تصوّر پر یقین کامل ہو جاتے تو پھر دُنیا کے سب کام سنور جائیں، یہ ایک تصور ہزار ناصحانہ تقریروں پر بھاری ہے اسی لیے عہدِ رسالت میں ہمیں تقریروں سے زیادہ عمل نظر آتا ہے کہ یقین کے بعد زبان نہیں چلتی ہاتھ پیر چلتے ہیں۔

سوال :۔ حساب کتاب کس طرح ہو گا؟

جواب :۔ دو فرشتے جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے ہر انسان کے ساتھ ہیں اور ایک ایک لمحہ کی تفصیلات محفوظ کر رہے ہیں۔ یہی اعمال نامہ قیامت کے دن انسان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس پر خود اس کا تحت الشعور اور ہاتھ پیر گواہ ہوں گے۔ اس تصور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدا کی عدالت میں بغیر فردِ جُرم دکھائے سزا نہیں ملے گی کیوں کہ یہ بات عدل کے خلاف ہے اور وہ عادلِ مطلق ہے۔

سوال :۔ میزان سے کیا مُراد ہے؟

جواب :۔ میزان کی حقیقت تو اللہ ہی کے علم میں ہے البتہ اس کی رُوح عدل و انصاف کا قیام ہے۔ پہلے میزان (ترازو) کی صورت ایک تھی یعنی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے۔ لیکن اب قسما قسم کے میزان ایجاد ہو گئے ہیں اس لیے اس کی حقیقت کو خُدا پر چھوڑ دینا چاہیئے البتہ یہ یاد رکھنا

چاہیئے کہ جس طرح میزان کے ذریعہ عدلِ عالم آشکار ہوتا ہے اسی طرح
مولیٰ تعالیٰ کا عدل عالم آشکار ہو گا اور مجرمین خود اس کا مشاہدہ کریں گے
اور ایسا عدل نہ ہو گا کہ جس کا عِلم صرف عِلم الٰہی میں ہو کہ یہ بات تقاضائے
عدل کے خلاف ہے کہ منصف کو سب کچھ معلوم ہو اور ملزم و مجرم کو کچھ نہ
معلوم ہو۔

سوال :۔ پُل صراط کس کا نام ہے ؟

جواب :۔ اس پل کی حقیقت بھی خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔سب انسان اس
پر سے گزریں گے اور اپنی صلاحیت و لیاقت کے مطابق اس کو عبور کریں
گے اور اس طرح جنتی جنت میں جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں ۔

سوال :۔ ثواب و عذاب کس طرح ملے گا ؟

جواب :۔ قرآن و حدیث میں سزا و جزا کی تفصیلات موجود ہیں اور
اس کی حقیقت اللہ کے عِلم میں ہے ۔ قرآن شریف میں جنتیوں کی آرام و آسائش
اور دوزخیوں کی تعذیب و تادیب کا ذکر موجود ہے ۔ان دیکھی چیزوں کو سمجھانے
کے لیے انہیں چیزوں سے تشبیہ دی جاتی ہے جو نظروں کے سامنے ہوں۔
اس لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ چیزیں ہوبہو ایسی ہوں جیسی ہم دیکھ رہے
ہیں۔اس لیے جنت کی آسائشوں اور دوزخ کی کلفتوں کا صحیح اندازہ کرنا مشکل
ہے ۔

ارکان و

سوال :- خدا اور رسول علیہ السلام کے احکام کتنے ہیں؟

جواب :- احکام تو بہت ہیں جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں البتہ چند احکام بتا دیئے جاتے ہیں جو ہر انسان کے لیے ضروری ہیں۔ صدقات و خیرات دینا، ظاہر و باطن ایک رکھنا، منافقت نہ کرنا، ہاتھ اور زبان سے کسی پر ظلم نہ کرنا، شراب نہ پینا، زنا نہ کرنا، سود نہ لینا اخلاق سے پیش آنا، بد خلقی سے پیش نہ آنا، پورا پورا تولنا، جھوٹ نہ بولنا، ہمیشہ سچ بولنا، خیانت نہ کرنا، دیانت پر عمل کرنا، وعدہ خلافی نہ کرنا، مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھنا اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہنا، بزرگوں کی عزت کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، اور اہل و عیال کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش کرنا، والدین کی اطاعت فرماں برداری کرنا اور ان کو کسی حالت میں نہ جھڑکنا اور نہ ان کی حکم عدولی کرنا، مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کرنا، چھوٹے بڑے گناہوں کو ہلکا نہ جاننا، مذاق میں دل لگی میں خدا اور رسول کی جناب میں گستاخی نہ کرنا، اہلِ بیت اور اصحاب کی دل میں محبت رکھنا، اللہ کی

متوجہ رہنا، دینِ اسلام میں اپنی طرف سے ایسی بات ایجاد نہ کرنا جس سے اسلام کی کسی بات کی مخالفت ہوتی ہو، سنّت کے راستہ پر چلنا، اہل اللہ کے دامن کو تھامے رہنا اور ان سے روگردانی نہ کرنا۔

الغرض بے شمار اوامر و نواہی ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان پر عمل کرکے اپنی آخرت سنواریں۔

سوال :۔ اسلام کے ارکان کتنے ہیں؟

جواب :۔ اسلام کے پانچ ارکان ہیں!

۱. کلمہ طیبہ

۲. نماز

۳. زکوٰۃ

۴. حج

۵. روزہ

ان فرائض میں اصل الاصول توحید و رسالت ہے باقی متعلقات ہیں

سوال :۔ ان کی مختصر تشریح بھی فرما دیجئے۔

جواب :۔ رکنِ اول کا تعلق ایمان سے ہے اور باقی ارکان کا تعلق اعمال سے ہے۔ ہر رکن میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ رکنِ اول کلمہ شہادت سے انسان انسانیت کی بلند ترین منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ رکنِ ثانی نماز، کفر اور اسلام میں فرق پیدا کرنے والی ہے اور رکنِ اول پر استقامت میں بے انتہا مددگار ہے۔ رکنِ سوم زکوٰۃ سے انسانی معاشرے میں اعتدال اور خوشحالی

پیدا ہوتی ہے اور دُنیا سے تعلق رکھتے ہوئے بے تعلق، جو عین مقصودِ اسلام ہے پیدا ہوتی ہے ــــــ رکنِ چہارم حج سے عالمی اتحاد اور یک جہتی کے ساتھ ساتھ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے محبوب بندوں سے قربت ہوتی ہے جو بیحد مفید ہے ــــــ رکنِ پنجم روزہ سے نفسانی خواہشات میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور انسان اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔

سوال :۔ دین اور شریعت میں کیا فرق ہے ؟

جواب :۔ دین تو ایک ہی ہے یعنی اسلام البتہ شریعت بدلتی رہی ہے یہ تبدیلی قوموں کے مزاج اور زمانے کے تقاضوں کے تحت ہوتی رہی لیکن ایک شریعت کے نفاذ کے بعد دوسری شریعت کو منسوخ کیا جاتا رہا۔

شریعت کے معنی راستے کے ہیں، ایک منزل تک پہنچنے کے لیے یکے بعد دیگرے مختلف راہیں اختیار کی گئیں اور بالآخر منزل آگئی اور شریعتِ اسلامیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نافذ کر دی گئی۔

سوال :۔ بعض بزرگوں کی زبان سے ایک لفظ طریقت بھی سنا ہے، یہ کیا ہے ؟

جواب :۔ دراصل طریقت، شریعت کی رُوح ہے جس طرح جسم اور روح الگ الگ نہیں اسی طرح شریعت و طریقت الگ الگ نہیں۔ اوامر و نواہی کی ظاہری اتباع کو شریعت کی پابندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن جب

حقِ اتباع ادا نہیں ہوسکتا۔ یہی اتباع دراصل طریقت ہے۔ یہ بات عالم و عارف کی صحبت میں پیدا ہوتی ہے، کتابوں سے پڑھ کر نہیں آتی اسی لیے قرآنِ کریم میں سورۂ فاتحہ میں بندوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ یہ دعا مانگو کہ ہم کو محبوبوں کے راستہ پر چلا۔ پس طریقت سے آگاہی کے لیے ضروری ہے کہ کسی خدا کے محبوب بندے کا دامن ہاتھ میں ہو۔

سوال :۔ مسلمان کی تعریف کیا ہے ؟
جواب :۔ مسلمان وہ ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس سے لاتے ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس کو دل و زبان سے تسلیم کرے اس پر عمل کرے اور اس کے ہاتھ پاؤں سے لوگ محفوظ رہیں۔
سوال :۔ منافق کسے کہتے ہیں ؟
جواب :۔ منافق وہ ہے جس کی زبان اقراری ہو اور دِل باغی ۔ بخاری شریف میں اس کی اِن علامتوں کا ذکر کیا ہے :۔

۱۔ جب بولے، جھوٹ بولے ۔
۲۔ جب وعدہ کرے، وعدہ خلافی کرے ۔
۳۔ جب امین بنایا جائے، خیانت کرے ۔
۴۔ جب لڑے، گالیاں بکے ۔

سوال :۔ کافر و مشرک کون لوگ ہیں ؟
جواب :۔ کافر وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی لائی ہوئی چیز کا انکار کرے اور مشرک وُہ ہے جو اللہ کی ذات و صفات میں دوسروں کو شریک

ایمان و

ملے گا۔

جواب :- اگر دُنیا میں حاکم اپنے سرکش محکوم اور افسر اپنے سرکش ملازم کے نیک کاموں پر انعام دیتا تو شاید یہ ممکن ہوتا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا بلکہ ہزار نیکیوں کے باوجود سرکش و باغی انسان کو اس کی سرکشی اور بغاوت کی پوری پوری سزا دی گئی۔

سوال :- ایمان کس کیفیت کا نام ہے؟

جواب :- بخاری شریف میں ہے کہ یقین کل کا کل ایمان ہے۔ یعنی ایمان یقین کی مخصوص کیفیت و حالت کا نام ہے جس کا مرکز و محور ذاتِ الٰہی ہے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق، احکامِ الٰہی بجا لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے پیروی کرے۔ جو اقرار کرتا ہے اور تصدیق نہیں کرتا۔ منافق ہے اور اس کا حال کافر سے بدتر ہوگا ——— جو زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق بھی کرتا ہے لیکن اس کے احکام بجا نہیں لاتا وہ فاسق ہے۔ اور جو زبان سے اقرار کرتا ہے، دل سے تصدیق کرتا ہے اور احکام بھی بجا لاتا ہے مگر دین میں ایسی نئی بات نکالتا ہے جو عین شریعت نہیں بلکہ مخالف ہے وہ بدعتی ہے۔

سوال :- ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل کسے کہتے ہیں؟

جواب :- (۱) ایمان مجمل یعنی ان باتوں کی تصدیق جن میں ضروریاتِ دین

کی کچھ تفصیل نہ ہو اور وہ یہ ہیں :-

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ۔

(ترجمہ) ایمان لایا میں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے قبول کیے اس کے تمام احکام۔

(ب) ایمان مفصّل ان باتوں کی تصدیق جن میں ضروریاتِ دین کی تفصیل موجود ہو۔ اور وہ یہ ہیں :-

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ۔

(ترجمہ) ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ نیکی اور بدی کا اندازہ اللہ کی طرف سے ہے اور موت کے بعد اُٹھنے پر ایمان لایا۔

ان کلمات کے بعد وہ کلمے بھی کہنے چاہییں جن میں اس کی معبودیت

اور پاکی وغیـــرہ بیان کی گئی ہے اور ان کی تصدیق کرنی چاہیئے۔ اور وہ مندرجہ ذیل پانچ کلمے ہیں :-

اوّل کلمہ طیّبہ ـــــ اس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

(ترجمہ) نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اللہ کے رسول ہیں ۔

دُوسرا کلمہ شہادت

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

(ترجمہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ، اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اس کے بندے اور رسول ہیں ۔

تیسرا کلمہ تمجید

الْعَلِیِّ
اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ؕ

(ترجمہ) پاک ہے اللہ تعالیٰ اور تمام تعریفیں اللہ کے واسطے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور کوئی بھی قوت و طاقت بزرگ و برتر اللہ تعالیٰ (کی مدد) کے بغیر (میسّر) نہیں۔

چوتھا کلمہ توحید

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ
وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(ترجمہ) سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، تمام عالم کی بادشاہی اسی کے واسطے ہے اور اسی کے واسطے تمام تعریفیں اور وہ ہر شئے پر قابو رکھتا ہے۔

پانچواں کلمہ ردِّ کفر

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا
اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَالَا اَعْلَمُ بِہٖ تُبْتُ عَنْہُ وَ

تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالْكِذْبِ وَالْغِيْبَةِ

وَالْبِدْعَةِ وَالنَّمِيْمَةِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبُهْتَانِ وَالْمَعَاصِيْ

كُلِّهَا وَاَسْلَمْتُ وَاٰمَنْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

(ترجمہ) اسے اللہ تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جانتے بوجھتے ہوتے تیری ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہراؤں اور تیری حفاظت چاہتا ہوں اس بات سے کہ نا واقفیت اور لاعلمی کی حالت میں مجھ سے تیری جناب میں کسی شرک خفی کا ارتکاب ظہور میں آتے اپنی گزشتہ زندگی میں جو گناہ مجھ سے سرزد ہوتے ان کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ کے لیے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اور خاص طور پر کفر، شرک، جھوٹ، غیبت، بدعت، چغلخوری، فحش کاری، بہتان طرازی، اور افترا پردازی اور ان جیسے دوسرے بڑے گناہوں سے بالخصوص بچنے کی توفیق تجھ سے طلب کرتا ہوں اور آخر میں زبانِ حال اور زبانِ قال سے تجدید ایمان کرتے ہوئے اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا عبادت، کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔

سوال:۔ کیا اُخروی نجات کے لیے ایمان ضروری ہے؟

جواب :- جی ہاں ضروری ہے، جس طرح دنیوی معاملات میں دنیوی حاکموں کے حکم پر چل کر ہی انسان ناگہانی مصیبتوں سے بچا رہتا ہے اور سرتابی کی صورت میں خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو عقوبت و سزا سے بچ نہیں سکتا اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس ایمان نہیں اور وہ دنیا بھر کی نیکیاں کرتا ہے تو یہ نیکیاں کسی حساب میں نہیں کہ اصل نیکی اطاعت و بندگی ہے۔

سوال :- کیا باطل کی قوتوں کے خلاف جہاد ضروری ہے؟

جواب :- باطل کی قوتوں کے خلاف جہاد جزو ایمان ہے۔ ممکن ہو ہاتھ سے جہاد کرے ورنہ زبان سے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے تو بُرا جانے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

سوال :- کیا نیکی و بدی اور خیر و شر سب اللہ کی طرف سے ہے؟

جواب :- جی ہاں، سب اسی کی جانب سے ہے لیکن نیکی کو اس کی طرف نسبت دینی چاہیئے اور بدی کو اپنی طرف ——— اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک حاکم اعلیٰ، ماتحت حاکم کو اختیار دیتا ہے اور وہ اس اختیار کو نیک کاموں کے بجائے بُرے کاموں میں صرف کرتا ہے، تو اب بُرے کاموں کی نسبت اس نافرمان ماتحت حاکم ہی کی طرف کی جائے گی لیکن جس اختیار سے وہ بُرے کاموں پہ قادر ہوا وہ بہرحال حاکمِ اعلیٰ کا دیا ہوا تھا تو اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اچھے اور بُرے کام حقیقتاً حاکم اعلیٰ کی طرف سے ہیں مگر کوئی معقول انسان حقیقتاً

سوال :۔ آپ کہتے ہیں کہ انسان بااختیار ہے مگر بعض اوقات تو بالکل مجبور معلوم ہوتا ہے، تو آخر انسان مجبور ہے یا مختار؟

جواب :۔ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔

سوال :۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ متضاد باتیں ایک چیز میں جمع ہو جائیں؟

جواب :۔ بالکل ممکن ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً ایک حاکمِ اعلیٰ نے ماتحت افسر کو کچھ اختیارات دیئے وہ افسر اِن اختیارات کی حدود میں یقیناً مختار ہے مگر حدود سے باہر مجبور ہے۔ پس اگر ماتحت افسر سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو حاکم اعلیٰ اس غلطی کے بارے میں بازپرس کرے گا جو اس کے دائرۂ اختیار میں ہے اور یہ بازپرس کرنا عین تقاضائے عدل ہے۔

اھلِ بیت و اَصحاب

سوال :- اہلِ بیت میں کون کون سی ہستیاں شامل ہیں ؟

جواب :- اولاد اور ازواجِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرات حسنین علیہما السلام شامل ہیں۔ ازواجِ مطہرات بدرجہ اولیٰ اہلِ بیت میں شامل ہیں کیونکہ قرآنِ کریم میں ان کو مومنین کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔

سوال :- کیا اہلِ بیت کی محبت حسنِ عاقبت کے لیے ضروری ہے ؟

جواب :- بیشک ضروری ہے۔ ان کی محبت درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت ہے اور ظاہر ہے آپ کی محبت پر حسنِ عاقبت کا دارومدار ہے۔

سوال :- حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا کیا مقام ہے ؟

جواب :- آپ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت مریم، حضرت آسیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن افضل ترین عورتوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مرتبے بھی بتا دیجئے ؟
جواب :- حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں؛ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے فرمایا ہے کہ وہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں؛ ——— اور بھی احادیث آئی ہیں۔
سوال :- آپ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اہلِ بیت سے ہیں اور افضل ترین عورتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے لیکن بعض لوگ آپ پر لعن طعن کرتے ہیں۔
جواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بعض لوگوں نے آپ کو متہم کیا تھا لیکن قرآنِ کریم میں ان کے لیے سخت وعید آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ملعون قرار دیا جو آیات برأت کے بعد بھی باز نہ آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرافت و بزرگی پر قرآنِ کریم گواہ ہے اور اس سے بڑھ کر اور کس کی گواہی ہو گی ؟

جو لوگ اب بھی لعن طعن کرتے ہیں وہ اس ناخلف اور سرکش اولاد کی مانند ہیں جو اپنی ماں سے بیزار ہے۔ قرآنِ کریم میں ازواجِ مطہرات کو مومنین کی مائیں قرار دیا ہے۔ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (الحزاب ۲۱:۶)
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مسلمانوں کی محبت کا مرکز ہے جس سے جتنا آپ کو تعلق ہے اس سے اتنی ہی محبت ہونی چاہیئے۔ یہ ایمان

نفسانی سے مغلوب ہو کر اس مرکز کو منتقل کرتے ہیں۔ پھر ہماری نگاہوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت اوجھل ہو جاتی ہے۔

ازواجِ مطہرات کے لیے تو خود قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

"نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں میں سے کسی ایک کی مثل نہیں ہو" (یعنی عورتوں میں سب بے مثال ہو) (احزاب ۴/۲۲)

سوال :- بعض لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں مجلسیں منعقد کرتے ہیں اور سینہ کوبی اور سینہ زنی کرتے ہیں اور آہ و بکا بھی کرتے ہیں۔ کیا یہ تمام چیزیں جائز ہیں ؟

جواب :- حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں مجلسیں منعقد کرنا تو بہت ہی اچھی بات ہے لیکن چونکہ خود اہلِ بیت اطہار نے سینہ کوبی اور سینہ زنی کی ممانعت فرمائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا ہے اس لیے یہ اچھی چیز نہیں۔ مسلمانوں کو اس عمل سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

وصال سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"اور مجھے گریہ، فریاد اور نالہ سے آزار نہ دینا"

(ملا باقر مجلسی : حیات القلوب ص ۱۰۵)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔

"یا رسول اللہ! اگر آپ نے صبر کا حکم نہ فرمایا ہوتا اور جزع فزع

سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آج آنکھوں اور دماغ کا پانی رو رو کر خشک کر دیتے"

(نہج البلاغۃ، جلد اول، ص ۴۹۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی :-

"اے فاطمہ! میری رحلت پر اپنا چہرہ نہ چھیلنا، گیسو پراگندہ نہ کرنا، واویلا نہ کرنا، نوحہ نہ کرنا، نوحہ کرنے والیوں کو نہ بلانا"

(حیات القلوب، ج ۲، ص ۸۵۲،۵۳۸، جلاء العیون، ص ۴۳، فروع کافی، ج ۲، ص ۲۲۸)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت فرمائی :-

"جب میں شہید ہو جاؤں تو خبردار میرے غم میں گریبان چاک نہ کرنا اور نہ سینہ پیٹنا، نہ منہ پیٹنا"

(اولاد بلگرامی : ذبح عظیم، دہلی، ص ۲۳۸)

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ملتا ہے :-

"جو لوگ اپنی عورتوں کو ماتم و نوحہ کی مجالس میں جانے کی اجازت دیتے ہیں اور باریک کپڑا پہننے سے منع نہیں کرتے ایسے لوگوں کو اوندھا ڈال کر اور کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا"

(فروع کافی، ج ۲، ص ۲۲۳ بحوالہ جلاء العیون)

احادیث میں سینہ کوبی اور سینہ زنی کرنے والوں کے لیے بڑی وعید آئی ہے پھر آلِ رسول علیہ السلام اس کو کیسے جائز کرسکتی تھی؛ بخاری شریف اور مسلم شریف میں یہ حدیث ہے :-

"وہ شخص امتِ محمدیہ سے خارج ہے جو اپنے گالوں کو پیٹے گریبانوں کو پھاڑے اور جاہلیت کے بول بولے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث مسلم شریف، بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف میں ملتی ہے۔ جس میں نوحہ اور ماتم کرنے والوں اور سننے والوں پر لعنت کی ہے۔

فی الحقیقت مسلمان کو وہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیت اطہار اور صحابۂ کرام کے عمل سے ظاہر ہے۔ حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ نے خوب فرمایا ہے :-

"دشمنوں کو معاف کرنا ہمارا کام ہے، اور یہ ورثہ ہمیں آلِ یعقوب سے ملا ہے، اور مصیبتوں پر صبر کرنا ہمارا شیوہ ہے جو آلِ ایوب سے ہم نے وراثت میں پایا ہے۔"

(فروع کافی؛ ج ۳، ص ۱۴۴، حیات القلوب، ج ۱ ص ۱۰۲، ۲۲۸)

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بڑی بے صبری کے کام یہ ہیں :-

"واویلا کرنا، چیخنا، چہرہ اور سینہ کوبی کرنا، سر اور پیشانی کے بال نوچنا، اور جس نے نوحہ و ماتم کرنے والوں کو لا کھڑا کیا اس

نے صبر کو ترک کیا اور طریقِ اسلام کے خلاف اور طریقہ اختیار کیا اور جس نے صبر کیا اور اللہ کی تقدیر پر راضی رہا، وہ رحمتِ الٰہی کا سزاوار اور مستحقِ اجر ہوا اور جس نے صبر نہ کیا اس کے اعمال اللہ تعالیٰ ضائع کر دے گا۔"

(حیات القلوب، ج ۲، ص ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۲۲)

مندرجہ بالا تمام احادیث اور اقوال آلِ رسول علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کوبی و سینہ زنی بلکہ ہر وہ عمل جس سے بے صبری ظاہر ہوتی ہو آلِ رسول کے نزدیک اچھا نہیں۔

درحقیقت سینہ کوبی و سینہ زنی کرنا محبت نہیں بلکہ اپنی زندگی کو آلِ رسول علیہ السلام کی زندگی کے سانچہ میں ڈھالنا سچی محبت ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ سید الشہداء حضرت امام رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں جس مصیبت و تکلیف سے دوچار ہوتے وہ آئی بھی اس کے بعد محبوبیت اور سیادت کا تاج آپ کے فرقِ مبارک پر رکھا گیا، ایسی حالت میں سینہ کوبی کرنا اور بھی نامعقول معلوم ہوتا ہے، ہاں وہ لوگ جنہوں نے آپ کو شہید کیا قیامت تک آہ و بکا کریں کہ انہوں نے وہ گناہ کیا ہے جس کا داغ دھل نہیں سکتا۔

اہلِ محبت میں اگر کوئی ماتم کرتا ہے تو اس کو سمجھائیے کہ اس کی نظر میدانِ کربلا سے آگے نہ بڑھی اور اس نے خاک و خونِ کربلا کی شفق سے آفتابِ درخشاں اُبھرتا ہوا نہیں دیکھا [illegible]

صبحِ فروزاں کو خوش آمدید کہو اور اس کی چمک سے خاکدانِ تیرہ کو چمکاؤ، اور فخر سے دُنیا کے سامنے کہو کہ ہم وہ ہیں جو ظلم و استبداد کے خلاف اُٹھتے ہیں تو جان کو جان نہیں سمجھتے ہم طوفان بن کر اُٹھتے ہیں اور سیلاب بن کر چھا جاتے ہیں ـــ ہم حق گو ہیں، ہم حق آگاہ ہیں۔

سوال :- صحابی کِسے کہتے ہیں ؟

جواب :- جو شخص ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا ہو اس کو صحابی کہتے ہیں۔

سوال :- کیا ان سے محبت کرنا بھی ضروری ہے ؟

جواب :- ہر اس شخص سے محبت کرنا ضروری ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے محبت فرمائی۔

سوال :- کیا قرآن وحدیث میں بھی صحابہ کے لیے کچھ ہدایات آئی ہیں ؟

جواب :- قرآنِ کریم میں مہاجر و انصار کے لیے آیا ہے "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ـــــــ جب خدا ان سے راضی ہو تو پھر کسی کی کیا مجال کہ ان سے ناراضگی کا اظہار کرے ـــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو صحابہ سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور جو دشمنی کرتا ہے وہ میری دشمنی کی وجہ سے دشمنی کرتا ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدا کو تکلیف دی اور جس

نے خدا کو تکلیف دی پس قریب ہے کہ خدا اس سے مواخذہ فرماتے ؛ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی محبت کو اپنی محبت اور صحابہ کی دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دیا۔ اس لیے مسلمانوں کو صحابۂ کرام رِضْوَانَ اللہ تعالیٰ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ کا پورا پورا احترام کرنا چاہیئے۔

سوال :۔ خلفاءِ اربعہ کن کن صحابیوں کو کہتے ہیں ؟

جواب :۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلفاء اربعہ کہتے ہیں۔

سوال :۔ مسلمانوں میں ایک طبقہ بعض خلفاء کے خلاف اور ان سے بدگمان ہے، کیا یہ بدگمانی صحیح ہے ؟

جواب :۔ بدگمانی تو ایک معمولی مسلمان کے ساتھ بھی جائز نہیں چہ جائیکہ جلیل القدر خلفاء وصحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ہماری محبتوں کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جن سے آپ کو انسیت و محبت ہے اور جنہوں نے آپ کے ساتھ جانثارانہ برتاؤ کیا ہے وہ یقیناً محبت کے لائق ہیں اور ان کی محبت جزوِ ایمان ہے۔

خلفاءِ اربعہ کے درمیان بڑی چاہت اور محبت تھی اور اس کی وجہ یہی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کا فداکارانہ تعلق تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے فرمایا :۔

إِمَامَانِ قَاسِطَانِ عَادِلَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَى الْحَقِّ۔

یہ دونوں پیشوا عادل و منصف تھے، سچائی پر تھے اور سچائی ہی پر انہوں نے وصال فرمایا؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے فرماتے ہیں:-

وَلَعَمْرِي وَإِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ لَعَظِيمٌ۔

(شرح نہج البلاغۃ لابن میثم البحرانی، ج ۳، ص ۴۸۶ طبع طہران ۱۳۷۹ھ)

ترجمہ: اور مجھے اپنی زندگی کی قسم یقیناً اسلام میں ان دونوں کا مقام بہت عظیم ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے فرمایا:-

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ الْعُمَرُ۔

اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

الغرض ان حضرات میں کوئی رنجش و کدورت نہیں تھی اور ہوتی بھی کیسے جب اسلام میں کینہ پروری کی سخت ممانعت ہے اور اس کے لیے سخت وعید ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جو باتیں ان کے آپس میں نہ ہوں وہ خواہ مخواہ پیدا کر کے اپنی عاقبت خراب کرے۔

سوال:- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں بعض حضرات کو اعتراض ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

رہے۔ کیوں کہ خلافت کا براہِ راست تعلق انہیں سے تھا۔ اب کسی کا اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے عرصہ دراز کے بعد ایک ملک کا کوئی فرد صدیوں پہلے گزرے ہوئے کسی بادشاہ کے خلاف آواز بلند کرے۔ ایسا نامعقول انسان نظر نہیں آتا۔ پھر جیسا کہ ابھی عرض کیا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ چوں کہ جلیل القدر صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار اس لیے مسلمان کو چاہیئے کہ آپ پر اعتراض کرکے اپنی عاقبت خراب نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے واضح ارشاد نہیں فرمایا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا میلانِ طبع حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف تھا۔ مندرجہ ذیل حقائق اس امر کی وضاحت کے لیے کافی ہیں:۔

۱۔ وصال سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سالی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے جو آپ کی زوجہ مطہرہ تھیں لیکن پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے آئے اور آخر وقت تک یہیں قیام فرمایا۔

۲۔ وصال سے قبل ضعف ونقاہت کی وجہ سے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امام بنایا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اچانک وصال نہیں ہوا بلکہ آپ علیل رہے اور اس دوران میرے ہوتے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے امامت کرائی (یعنی اگر مجھے جانشین بنانا ہوتا تو قولاً، عملاً یا کم ازکم اشارۃً کچھ فرماتے اس کے لیے علالت کا وقفہ

کافی تھا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا) اس لیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مسلمانوں نے آپ سے بیعت کی اور میں نے بھی ان کے ساتھ بیعت کر لی

'فبایعة المسلمون و بایعتہ معھم'۔ (کنز العمال طبع قدیم، ج ۶، ص ۸۲ ملخصاً)

حیات القلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت ملتی ہے جس کے راوی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں:۔

'جو شخص میرے بعد والیِ امر ہو میں اسے خدا کی یاد دلاتا ہوں' (ص ۔ ۱۰۸۵)

اس روایت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حتمی طور پر کسی کا نام نہ لیا تھا' اور وہ جو واقعہ قرطاس کے پیشِ نظر اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے' بے حقیقت ہے کیوں کہ اگر آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں وصیت کرنی ہوتی تو ایامِ صحت میں ارشاد فرما دیتے، یہ بات اتنی معمولی نہ تھی کہ وقتِ وصال اس کا اظہار کیا جاتا۔ لیکن یہ شاہانِ عالم کی رسم کہن تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل نہ فرمایا۔

سوال :۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کس بنا پر فضیلت حاصل ہے؟

جواب :۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی کئی وجوہات ہیں من جملہ ان کے چند یہ ہیں :۔

۱۔ مردوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول فرمایا۔

۲۔ ہجرت کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت و رفاقت کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ کی رفاقت کی شہادت خود

قرآنِ پاک میں موجود ہے۔

۴۔ آپ کی صاحب زادی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبوب زوجہ مطہرہ تھیں جن کے زانو پر حضور علیہ السلام نے وصال فرمایا۔

سوال:۔ کیا خلفاء اربعہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے رشتہ داریاں بھی تھیں؟

جواب:۔ جی ہاں، جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات تھیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ازواج تھیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبوب صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا زاد بھائی بھی تھے یعنی ابوطالب کے صاحبزادے۔

اگر یہ نسبتیں قدر و منزلت کے لائق ہیں تو پھر سب کی قدر و منزلت کی جانی چاہیئے ـــــ محبت میں حکومت و سیاست کو دخل نہیں، وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہے، مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی محبت کو سیاست و حکومت میں آلودہ نہ کرے بلکہ پاک صاف رکھے۔

سوال :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ داماد رسول علیہ السلام نہ تھے۔کیا یہ صحیح ہے ؟

جواب :۔ ابھی ابھی عرض کیا گیا کہ آپ دامادِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ چنانچہ حیات القلوب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی ازواج تھیں۔ (ج ۲،ص ۱۶۳، ۹۵۰، ۹۸۹) پہلی اور دوسری صاحبزادی کے عقد سے آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سوال :۔ بعض لوگ حضرت صدیقِ اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لعن طعن کرتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے ؟

جواب :۔ انسان کا نفس آزاد ہے جس پر چاہے لعن طعن کرے، لیکن یہ بڑی جرآت کی بات ہے اور مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مسلمان پر لعن طعن کرے چہ جائیکہ صحابہ اور وہ بھی جلیل القدر صحابہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے دشمن پر لعنت نہ بھیجی اور یہ فرمایا کہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس مسلمان کا عمل خصوصاً عاشق اہلِ بیت کا عمل سنت کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔

دنیا میں ہزاروں مذاہب اور فرقے بستے ہیں مگر کوئی فرقہ ایسا نہیں جس نے دوسرے فرقہ کے اکابر پر لعن طعن کو اپنا شعار بنایا ہو مسلمانوں کو مشرکین سے سخت اختلاف ہے لیکن نہ ان کی مجلسوں میں اور نہ ہماری مجلسوں میں دشنام طرازیوں اور لعن طعن کا کوئی سلسلہ ہے۔ یہی حال

یہود و نصاریٰ کی محفلوں کا ہے۔ لعن طعن والی بات نامعقول بھی ہے اور ناشائستہ بھی اور جاہلانہ بھی۔ اسی لیے اس جدید دنیا میں ایسی نامعقولیت کہیں نظر نہیں آتی۔

اگر کوئی مسلمان اتنا تنگ نظر اور تنگ حوصلہ ہے تو اس کو غور کرنا چاہیئے کہ ہر انسان اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے اگر ہم نے صحابہ کو بُرا بھلا کہا (معاذ اللہ) تو غیر مسلم سوال کرنے والا سوال کرسکتا ہے کہ جب رفیقوں کا یہ حال ہے تو ہم کیسے سمجھ لیں کہ وہ نبیِ محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا ہی تھا جیسا تم کہتے ہو؟ —— گویا ہم اپنی ناعاقبت اندیشی سے اسلام کے ستونوں کو منہدم کر رہے ہیں اور ہمیں خبر تک نہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ صحابہ کی عظمت کو اُجاگر کریں کہ اسلام کی عظمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیت اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے وابستہ ہے۔

سوال :۔ بعض لوگ خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :۔ دورِ قدیم کا انسان طبعاً وراثت پرست تھا اور اسی ذہنیت نے شاہ پرستی کو جنم دیا تھا، ایک بادشاہ مرتا، اس کا بیٹا اس کا جانشین بنا دیا جاتا، اسلام نے شاہ پرستی اور وراثت پرستی کی اس سیاست کو ختم کیا، یہ بڑا انقلاب تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہنے میں ایک حکمت جلیلہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ممکن تھا

کہ آپ کے بعد دستورِ قدیم کے مطابق آپ کے فرزندِ گرامی کو خلیفہ بنا دیا جاتا، اس لیے جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا کہ آپ "ابتر" ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں "ابتر" تو وہ ہیں کہ اب ان کی شاہ پرستی کی سیاست ابتر ہو چکی ہے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ وہ سیاست واقعی ابتر ہو چکی اور ہو رہی ہے۔

ممکن ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کی اولیت میں یہی ذہنیت کارفرما ہو۔ بہرکیف مسلمانوں پر لازم ہے کہ خلفاء نے جس چیز کو اپنے لیے پسند نہ فرمایا اور خاموش رہے، ہم بھی خاموش رہیں اور خواہ مخواہ مدعی بن کر گمراہ نہ ہوں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ان میں سے کسی کو عہدے کی لالچ نہ تھی، ان کی معاشرت اس پر گواہ ہے۔ جس کو لالچ ہوتا ہے وہ دوڑتا پھرتا ہے۔ یہ حضرات ان آلائشوں سے پاک تھے۔

مجتہد شیعہ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی نے اپنی کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا "فهل بایعته؟" کیا آپ نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لی ہے؟ تو حضرت نے فرمایا "فقال نعم"، ہاں بیعت کر لی ہے۔

(احتجاج الطبرسی، مطبوعہ مشہد ۱۳۰۲ھ، ص ۵۰)

اس لیے خلافت کے بارے میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت دیتے ہیں وہ خود حضرت علی کی منشار کے خلاف کرتے ہیں۔

مُجتہدین اَولیاء وَ عُلَماء

سوال :- کیا مسلمان کے لیے تقلید ضروری ہے ؟
جواب :- تقلید تو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے بلکہ دیکھا جائے تو ہر انسان کے لیے ضروری ہے دُنیا کی تمام ترقیوں کا دارومدار اسی تقلید پر ہے اگر انسان تقلید نہ کرے تو اس کے لیے چلنا پھرنا، پہننا اوڑھنا، کھانا پینا، اور سوچنا اور سمجھنا مشکل ہو جائے۔ جب تقلید کے بغیر عام زندگی گزارنا مشکل ہے، تو مذہبی زندگی کیسے گزاری جا سکتی ہے ؟ قرآنِ حکیم میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجتہدینِ کرام کی تقلید کریں۔

سوال :- مجتہدین کون لوگ ہیں ؟
جواب :- مجتہدین تو بہت گزرے ہیں مگر یہ چار مشہور ہیں یعنی :

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ
(آپ کے پیرو حنفی کہلاتے ہیں)

۲۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ
(آپ کے پیرو شافعی کہلاتے ہیں)

۳۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ (آپ کے پیرو مالکی کہلاتے ہیں)
۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (آپ کے پیرو حنبلی کہلاتے ہیں)
مسلمان مختار ہیں جس امام کی چاہیں پیروی کریں۔

سوال:۔ کیا سب مجتہد حق پر ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں، سب حق پر ہیں کیونکہ سب ہی نے علوم قرآن و حدیث میں امکان بھر غور و فکر کر کے بڑی تحقیق سے مسائل نکالے ہیں اور اسلامی فقہ کو مرتب کیا ہے، یہ ان حضرات کا ہم مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق قرآنِ کریم جمع کیا، محدثین و فقہاء نے حدیث و فقہ کی تدوین کی ایسی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی کسی مذہب میں یہ اہتمام نہیں کیا گیا جو محدثین کرام اور فقہائے عظام نے کیا ہے۔

سوال:۔ کیا مجتہدین میں کسی نہ کسی کی پیروی ضروری ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! ضروری ہے کیونکہ اتنا وقت کس کے پاس ہے کہ خود قرآنِ کریم میں غور و خوض کر کے مسائل نکالے اور پھر ان پر عمل کرے۔ آج کل تو قرآن پڑھنا مشکل ہو گیا ہے قرآن فہمی کی بات تو بہت اونچی ہے اس کے لیے تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔

سوال:۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں صرف قرآنِ حکیم تھا اور کوئی چیز نہ تھی تو پھر ہمارے لیے اتنے سارے دینی علوم کی کیا ضرورت ہے؟

جواب :۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسرے علوم کی اس لیے ضرورت پیش نہ آئی کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، جس کو جس مسئلے میں جب ضرورت پیش آئی پوچھ لیا لیکن عہدِ نبوی کے بعد اسلام کا حلقہ وسیع ہوا اور بہت سی عجمی قومیں مشرف باسلام ہوئیں اور اسلام کے خلاف دشمنوں نے ہاتھ پیر نکالے اور نئے نئے حوادث رونما ہوئے تو ائمہ مجتہدین اس طرف متوجہ ہوتے اور تفسیر، حدیث وفقہ کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ فراہم کیا۔

سوال :۔ اہلِ سنت وجماعت میں کون لوگ ہیں ؟

جواب :۔ وہ مسلمان جو سلف صالحین کے راستے پر گامزن اور محبت والفت اور جاں نثاری و فداکاری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ثابت قدم ہیں۔

سوال :۔ کیا علوم ظاہری کے مقابلے میں علومِ باطنی بھی ہیں، بعض لوگ انکار کرتے ہیں ؟

جواب :۔ تنگ نظری کی بناء پر ہم ہر اس چیز سے انکار کر دیتے ہیں جس کو ہماری آنکھ نہیں دیکھتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بدن کے ہوتے ہوئے روح بھی ہے اسی طرح علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ علومِ باطنی بھی ہیں۔ اور جس طرح علومِ ظاہری سے ظاہری احوال ٹھیک ہوتے ہیں اسی طرح علومِ باطنی سے باطنی احوال ٹھیک ہوتے ہیں۔ علمِ ظاہر تو ہر عالم کے پاس مل جاتا ہے مگر علمِ باطن ہر کس وناکس کے پاس

نہیں ملتا۔ اس کے حامل حضرات اہل اللہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور اہلِ اللہ کی پہچان یہ ہے کہ ان کا ظاہر شریعت سے آراستہ و پیراستہ ہو، ان کا قول و عمل سنت کے مطابق ہو اور اعتقادِ صحیح کے ساتھ ان کی صحبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت ہو۔ ایسا انسان میسّر آجائے تو اس کے دامن سے وابستہ ہو کر علومِ باطن حاصل کریں۔

سوال :۔ پیر کے لیے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے ؟

جواب :۔ پیر کے لیے ضروری ہے کہ صحیح العقیدہ سنّی ہو، علومِ شریعت سے اتنا واقف ہو کہ ضرورت کے مطابق مسائل معلوم کر سکے۔ صاحبِ اجازت ہو اور اس کا سلسلۂ طریقت متصل ہو منقطع نہ ہو۔ پیر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تارکِ دنیا اور گوشہ نشین ہو، وہ ہنر پیشہ بھی ہو سکتا ہے، تاجر بھی ہو سکتا ہے، ملازم پیشہ بھی ہو سکتا ہے، حاکم و بادشاہ بھی ہو سکتا ہے، فقیر و مسکین بھی ہو سکتا ہے، یہ عطائے ربانی ہے جس کو جہاں چاہے نواز دے۔ ہاں جاہل ولی کامل نہیں ہو سکتا۔

سوال :۔ کیا ان حضرات کی پیروی بھی ضروری ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں، کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان کی پیروی بھی ضروری ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس نے ان حضرات کی پیروی کی وہ خسارے میں نہیں رہا بلکہ زندگی میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس تاریخی حقیقت سے بڑھ کر اور کونسی شہادت ہو گی ؟ اس کے علاوہ خود قرآنِ کریم میں سورۂ فاتحہ میں اس طرف متوجہ

کیا گیا ہے۔ ان کی پیروی عین منشائے ربانی ہے۔

سوال :۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ نے قرآن و حدیث سے تجاوز کیا ہے اور شریعت کے راستے سے ہٹ گئے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے ؟

جواب :۔ ہرگز ایسا نہیں، حقیقتِ حال یہ ہے کہ لوگوں کو اولیاء اللہ کی پہچان میں مغالطہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنے معیار کے مطابق کسی کو ولی سمجھ لیا۔ پھر اس سے خلافِ شرع امور دیکھے تو مشہور کر دیا کہ اولیاء اللہ نے قرآن و حدیث سے تجاوز کیا ہے حالاں کہ جو قرآن و حدیث سے تجاوز کرے وہ ولی تو ولی مسلمان بھی نہیں رہتا۔

ہاں یہ بات ضروری ہے کہ بعض اوقات دیکھنے میں بعض باتیں خلافِ شرع محسوس ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں نہیں ہوتیں تو ایسے امور میں خاموشی اختیار کی جاتے خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ شریعت پر سختی کے ساتھ قائم ہے اور اس سے کبھی خلافِ شرع امر سرزد نہیں ہوا اور نہ اس نے کبھی خلافِ شرع بات گوارہ کی۔

سوال :۔ کتنے اولیاء اللہ گزرے اور ان کے قائم کردہ مشہور سلسلوں کے کیا کیا نام ہیں ؟

جواب :۔ اولیاء اللہ کا کوئی حد و شمار نہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے اولیاء اللہ پیدا ہوئے، کتنے اب ہیں اور کتنے آئندہ ہوں گے۔

فارسی، عربی اور اُردو کی بے شمار کتابوں

حالات لکھے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ نیک انسان کے حالاتِ زندگی میں عجب تاثیر ہوتی ہے۔ جس طرح اس کی صحبت تاثیر سے خالی نہیں اسی طرح اس کے حالات بھی تاثیر سے خالی نہیں۔

مختلف اولیاء اللہ کی نسبت سے بیشمار سلاسلِ طریقت وجود میں آئے۔ جن میں سے یہ چار مشہور ہیں۔

قادریہ یہ غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔

سہروردیہ یہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔

چشتیہ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔

نقشبندیہ یہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔

مندرجہ بالا سلاسل میں یا کسی دوسرے سلسلے میں جہاں کہیں کوئی مردِ کامل نظر آئے اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور اس سے ہدایت حاصل کرے۔ جس طرح شاگردی اور تلمذ کے بغیر علم ظاہر نہیں ملتا اسی طرح بعیت و ارادت کے بغیر علمِ باطن نہیں ملتا مگر جس پر اللہ کا فضل ہو جائے۔

ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے ؟
جواب :۔ تقدیر تو اللہ ہی پلٹ سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض برگزیدہ بندوں کو لامحدود اختیارات سے نوازا ہے پس وہ ان اختیارات سے جس طرح چاہتے ہیں کام لیتے ہیں جس طرح دُنیا میں سربراہِ مملکت ماتحت وزیروں کو اختیارات دیتا ہے۔ اور وہ ان اختیارات کو استعمال کرتے ہیں، تو دیکھنے میں تو وہ صاحبِ اختیار معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اختیار سربراہِ مملکت ہی کا ہے۔ اسی طرح اختیار تو اللہ ہی کا ہے اب وہ جس کو چاہے اپنے کرم سے مختار بنا دے۔

سوال :۔ کیا دین اسلام میں تبلیغ ضروری ہے ؟
جواب :۔ تبلیغ کی تو ہر وقت ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ، تابعین، تبع تابعین پھر صلحاء اُمت اور علماء اسلام نے اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ اگر حضرات صوفیاء اور علماء تبلیغ نہ فرماتے تو آج دنیا میں اسلام کو فروغ نہ ہوتا جو ہم دیکھ رہے ہیں، یہ انہیں کی کوششوں کی برکت ہے جس کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

سوال :۔ تبلیغ مشرکوں اور کافروں کو کی جائے یا مسلمانوں کو بھی ؟
جواب :۔ حقیقی تبلیغ تو یہی ہے کہ کفار و مشرکین میں دینِ اسلام کو پھیلایا جائے لیکن اگر اتنی ہمت نہیں تو پھر ان مسلمانوں کی حالت درست کی جائے جو دین سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ یہ بھی ایک دینی خدمت ہے لیکن اس میں ذرا غور اور

گھمنڈ نہ ہونا چاہیے جس کو اپنی نیکی پر غرور و تکبر ہوا وہ خدا کی نظر میں حقیر ہوا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ علمائے اہلِ سنت میں صحیح العقیدہ جو بھی عالم ہو اس کی کتابیں پڑھی جائیں۔

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب مشرکوں کو تبلیغ کی ضرورت نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہے ، یہ بات کہاں تک درست ہے ؟

جواب :- مشرکین کو تبلیغ کی تو ہر وقت ضرورت ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ وہ کافر و مشرک ہیں۔ البتہ یہ بات الگ ہے کہ ہمتیں اتنی پست ہو گئی ہیں کہ کفار کے سامنے اسلام پیش کرتے ڈر لگتا ہے جو ضعفِ ایمان کی دلیل ہے اور اس پر یہ تاویل کہ اب ضرورت نہ رہی سخت بے حیائی کی بات ہے۔

سوال :- کیا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل و عیال کی ذمہ داریوں سے بے پروا ہو کر تبلیغ کے لیے نکلیں ؟

جواب :- پہلے اہل و عیال کی خبر لو، والدین ضعیف ہیں تو ان کی خدمت بہت ضروری ہے ، یہ مذہب سے الگ کوئی چیز نہیں ، عین مذہب ہے مگر بہت سے لوگ اس کو سمجھتے نہیں اور بے عقلی کی وجہ سے اس کو دُنیا کی باتیں سمجھتے ہیں وہ شخص جو بال بچوں اور والدین کی خدمت سے بے نیاز ہو کر تبلیغ کے لیے نکلا وہ گنہ گار ہے۔ ہاں اگر ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکا ہے تو بیشک تبلیغ کے لیے جائے اور اہل اللہ اور صلحائے اُمت نے جو صراطِ مستقیم دکھایا ہے اس کی طرف بلائے اور خود اس پر چلنے کی کوشش کرے۔ اور جو لوگ ساتھ چلنے پر آمادہ ہوں تو ان سے پوچھ

لے کہ ان پر شریعت کی کوئی اور ذمہ داری تو نہیں تاکہ نہ وہ گنہ گار رہوں اور اور نہ ان کے رفیقِ سفر گنہ گار رہوں۔ہاں محلے والوں اور پڑوسیوں کو بہر صورت تبلیغ کرنی چاہیئے اس کے لیے کوئی شرط نہیں بلکہ یہ ایک دینی فرض ہے۔

اختتامیہ

حدیث شریف میں آیا ہے :-

مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے ؛ اس لیے دل داری کو اپنا شعار بناؤ، اگر کسی مسلمان سے ایسا فعل سرزد ہو جائے جو کفر، شرک یا بدعت ہے تو اس کو نرمی سے سمجھا دو کہ اس طرح بات سمجھائی جا سکتی ہے، سختی نہ کرو کہ اس طرح اصلاح کے بجائے اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، اپنی نیکی اور تقویٰ پر غرور کر کے کبھی دوسرے کو نصیحت نہ کرو کہ اس طرح تمہاری ساری نیکیاں اکارت ہو سکتی ہیں، اگر کوئی بُرے راستہ سے نہیں ہٹتا تو پھر خاموشی کے ساتھ اس سے الگ ہو جاؤ اور اگر تم سے کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی کہ جو کفر و شرک یا بدعت ہے اور کوئی سمجھانے والا سمجھائے تو ہرگز ہٹ دھرمی نہ کرو اگرچہ اس سے تمہارا مقصود وہ نہ ہو جو دوسروں نے لیا ہو، توبہ کر لو کہ توبہ سے فائدہ ہی فائدہ ہے نقصان کچھ نہیں اور دین کے معاملے میں علم و فضل کے ہوتے توبہ کرنے میں اپنی سبکی نہ سمجھو کہ توبہ معبودِ برحق سے کی جاتی ہے اس میں کیا شرم ؟ اس کے آگے جھکنے سے ہچکچانا ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے

اور یہ کام تو ابلیس نے بھی نہ کیا۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۔

اے ایمان والو اپنے اور اپنے کنبہ والوں کو دوزخ سے بچاؤ دوزخ سے بچانے کا یہی طریقہ ہے کہ ان کو اچھی باتیں سکھاؤ اور بُری باتوں سے روکو۔ افراد کی حالت سدھرنے سے خود ملّت کی حالت درست ہوجائے گی۔ احقر کے چند احباب اس تدبیر پر عمل کر رہے ہیں کہ نمازِ مغرب کے بعد سے عشاء تک ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو ضروری مسائل سکھاتے ہیں۔ تم بھی کسی نہ کسی تدبیر سے اپنے بھائیوں کو دین سے آگاہ کرو کہ یہ عمل ہزار نوافل پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ دین کی صحیح سمجھ پیدا ہونے سے خود زندگی سدھر جائے گی، دنیا بھی اور آخرت بھی۔ تبلیغ دین میں اپنی کوئی غرض نہ رکھو خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی۔

یہ رسالہ (مظہر العقائد)، رسالہ مظہر الاخلاق جس میں اخلاق کا بیان ہے اور رسالہ ارکانِ دین جس میں دین کے ارکان کا ذکر ہے اسی ضرورت کے واسطے تالیف ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین!

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی دوسری

تصانیف

۱۔ مظہر الاخلاق ———————— مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۲۔ ارکانِ دین ———————— مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۳۔ مکاتیبِ مظہری ———————— مطبوعہ ۱۹۶۹ء

۴۔ فتاویٰ مظہری ———————— مطبوعہ ۱۹۷۰ء

۵۔ مواعظ مظہری ———————— مطبوعہ ۱۹۷۰ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ

کتابیں

اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی

آپ

اچھی کتابیں پڑھیں !

کیونکہ

آپ کو خود اچھا بننا ہے !

اور دُوسروں کو اچھا بنانا ہے

اچھی کتابوں کا مرکز

مکتبہ نعمانیہ۔ اقبال روڈ سیالکوٹ

نزد سنہری مسجد

ہماری مطبوعات

شرح قصیدہ امام اعظم
حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہدیہ عقیدت نظم اور نثر میں اردو ترجمہ اور قرآن وحدیث سے مدلل شرح
ٹائیٹل رنگین، صفحات ۱۱۲ قیمت ۲/۵۰

شرح قصیدہ بردہ
بارگاہ رسالت میں وہ مقبول قصیدہ جس کو سن کر حضور نے اپنی چادر مبارک صاحب قصیدہ کو عطا فرمائی۔ اس قصیدہ کی اردو زبان میں سب سے جامع اور عشق مصطفےٰ میں ڈوبے ہوئے قلم سے مکمل شرح۔
جلد ڈائی دار۔ صفحات ۴۰۰ قیمت ۱۵ روپے

رکن دین (حصہ اول)
وہ مشہور و معروف رسالہ ہے جو لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر دنیائے اسلام میں پھیل چکا ہے اس میں نماز کے ہر قسم کے فضائل و مسائل سوال وجواب کی طرز میں درج ہیں۔
ٹائیٹل چار رنگا ؛ صفحات ۲۸۸ ؛ قیمت صرف ۶/

توضیح العقائد (رکن دین حصہ دوم)
اسلامی عقائد پر سوال وجواب کے طرز پر بڑی آسان اور مستند کتاب آج ہی منگوا کر مطالعہ فرمائیں۔ تاکہ آپ غلط عقائد سے بچ سکیں۔
ٹائیٹل رنگین ؛ صفحات ۱۸۴ ؛ قیمت ۵/-

کتاب الحج (رکن دین حصہ چہارم)
حج و زیارت پر بڑی جامع اور محققانہ تصنیف ہے آسان پیرایہ میں سوال وجواب کے طرز پر تمام ضروری مسائل اور دعائیں درج ہیں۔
صفحات ۳۷۶، ٹائیٹل چار رنگا، قیمت ۱۲/۵۰

روح الصلوٰۃ
نماز کی حقیقت اور روح معلوم کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ یہ کتاب نماز میں غلط خیالات آنے کا بہترین علاج ہے قیمت ایک روپیہ۔

نوٹ :- سب کتابوں کی کتابت اور کاغذ بڑھیا اور طباعت آفسیٹ ہے۔

ملنے کا پتہ: **مکتبہ نعمانیہ۔ اقبال روڈ سیالکوٹ**